غبارِ خیال

(شعری مجموعہ)

تسنیم الرحمٰن حامیؔ

غبارِ خیال

(شعری مجموعہ)

تسنیم الرحمٰن حامیؔ

جی۔ این۔ کے۔ پبلی کیشنز

GHUBAR E KHAYAL

(Poetry)

By

Tasneem U Rehman Hami

Year of 1st Edition 2022
ISBN 978-93-91606-01-5
Price Rs. 300.00

نام کتاب	:	غبارِ خیال (شاعری)
مصنف	:	تسنیم الرحمٰن حامی
طبع اوّل	:	2022
قیمت	:	300روپے
صفحات	:	208
تعداد	:	500
مطبع	:	جی۔این۔کے پرنٹرس، نئی دہلی

Published by

GNK PUBLICATIONS

Head Office : Near Old Bus Stand
Charari Sharief, Budgam - 191112 (J&K)
Mobile : 7006738304, 9541123110
E-mail : gnkpublications@gmail.com
www.gnkpublications.com

انتساب

اپنے نام!

فہرست

اظہارِ تشکّر

قبلہ والد ماجد محترم جاوید الرحمٰن مدظلہم العالیہ، میری والدہ محترمہ بی بی زاہدہ رحمٰن، آپ کے زیرِ سایہ مجھے حرف شناسی نصیب ہوئی اور ہمیشہ آپ کا مالی، نفسیاتی اور مربیانہ شفقت کا سہارا رہا۔

ماموں جان محترم منیر احمد قریشی حفظہ اللہ حال ضلع مجسٹریٹ میر پور، آپ کی حوصلہ افزائی اور مالی معاونت کے بغیر اس مجموعہ کی اشاعت شاید اتنی آسان اور جلد نہ ہو پاتی۔

چچا جان حضرت مفتی سجاد الرحمان قاسمیؔ مدظلہم العالیہ کا مرہونِ احسان ہوں کہ ان کی کاوشوں اور ہمّت وحوصلہ افزائی کی بدولت یہ مجموعہ اشاعت کے بنیادی مراحل تک پہونچا۔

برادرِ کبیر مفتی نعیم الرحمٰن قاسمیؔ سلمہٗ، برادرِ اصغر تفہیم الرحمٰن سلمہٗ، ہمشیرۂ عزیزہ زہیرہ رحمٰن سلمہٗ، یارِ طفلی محمد محسن فاروقی سلمہٗ!

علاوہ ازیں ان تمام احباء اور اقارب کا ممنون ہوں، جنھوں نے کبھی بھی دامے درمے قدمے سخنے اس کتاب کی بابت میری معاونت کی ہو!

حرفِ اولین

سن ۲۰۱۰ کی بات ہے، ادراک ہوتا ہے کہ اگر قلم کو ذرا جنبش دوں تو اشعار جھڑ سکتے ہیں، چنانچہ ابتداء کردی اور اب ٹھیک بارہواں سال ہے، گاہے گاہے افکار سمٹ جاتے ہیں اور اشعار کی صورت میں قلم کے رستے سے ہوتے ہوئے لوحِ سپید پر نقش ہو جاتے ہیں۔ غزل اور مناقب سے شعر گوئی کا آغاز ہوا اور دھیرے دھیرے طبیعت نے نظم گوئی کی جانب ترغیب پائی اور پھر تو شعار ہی ٹھہرا۔ خوب وقفے کے بعد کبھی طبیعت مچلتی ہے اور کچھ پامال سے اشعار ترتیب پا جاتے ہیں، اسی لئے اس قدر طویل مدت کے بعد بھی محض ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہوا اور چھپنے کے مراحل تک پہونچا۔ اب فنِ شعر گوئی کی صورت کیسی ہے یہ آپ کلام پڑھنے کے بعد خود ہی دیکھ لیں گے اور محاسن کی حوصلہ افزائی نیز معائب کی نشان دہی اور اصلاح بھی فرماویں گے۔ اسی امید کے ساتھ یہ کاوش آپ کی خدمت مقدسہ میں پیش کرتا ہوں۔

زندگی جذبات ہیں، جذبات ہی تو شاعری
شاعری تو زندگی ہے، زندگی تو شاعری

تسنیم الرحمٰن حامیؔ

۰۸ اگست ۲۰۲۲

حمد و نعت

حمد

نہیں تعریف ممکن جس کی، ذات کبریا تو ہے
مفاہیمِ سپاس وحمد سے بھی ماورا تو ہے

یہ ماضی، حال و مستقبل تجھے پانے سے قاصر ہیں
ازل کی ابتدا تو ہے، ابد کی انتہا تو ہے

زمین و آسماں ہر لحظہ تیری حمد کہتے ہیں
خدایا ذوالکرم تو، ذوالجلال و ذوالغنا تو ہے

سبھی انفاسِ عالم کا کوئی رزاقِ اکبر ہے
قسم تیری خدائی کی، فقط رب العلیٰ تو ہے

کوئی حیوان و انس و جن و ارض و آسماں، سورج
ترا سا جھی نہیں قدرت میں، واحد، ایکتا تو ہے

سبھی انس و ملک تسبیح کرتے ہیں فقط تیری
تقدس ہی ترا حق ہے، سزاوارِ ثنا تو ہے

فنا ہر ایک ہستی کا مقدر ہے ابھی یا کل
نظامِ نیستی میں ایک ہی ذاتِ بقا تو ہے

توئی محبوب ہر دل را، توئی معبودِ ہر سر را
توئی موجود ہر سو است و معشوقِ پیمبر را

وہی خدا ہے

اُسی نے آخر عدم کو ہستی بنا دیا ہے، وہی خدا ہے
جہاں کی گردش کا ساز جس نے بجا دیا ہے، وہی خدا ہے

فلک کو تاروں کی روشنی سے سجا دیا ہے، وہی خدا ہے
زمیں کو میرے لئے کسی نے بچھا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسی نے پانی کو ابرِ باراں بنا کے جل تھل زمین کی ہے
اُسی نے جل کو پہاڑوں پر بھی جما دیا ہے، وہی خدا ہے

جہاں کے دشت و دمن کو اُس نے زمیں کا چہرہ بنا دیا ہے
اُسی نے گُل کی مہک کو ہر سُو کھِلا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسی نے سازِ جہاں بھی چھیڑا، اُسی نے زخمہ وری بھی کی ہے
اُسی نے بلبل کے زمزموں کو گلا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسی سے آنکھیں مری ہیں بینا، اُسی سے میری زباں ہے گویا
اُسی نے میرے قلم کو ذوقِ ثنا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسی نے اپنا ظہور کر کے مجھے بھی کوئی الٰہ بخشا
اُسی نے میری جبیں کو نازِ وفا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسے تلاشا تو دل میں پایا، تبھی سے میرے خرد بھی گُم ہیں
اُسی نے اپنے جنوں کو مجھ میں بسا دیا ہے، وہی خدا ہے

اُسی کا دیوانہ بن گیا ہوں، اُسی پہ اب تو فدا ہوا ہوں
اُسی نے میری محبتوں کا صلا دیا ہے، وہی خدا ہے

حمد باری تعالیٰ

صاحبِ عزّ و شاں، خالقِ دو جہاں
مالکِ انس و جاں، رافعِ آسماں
تو رہا ہے کہاں، تو بسا ہے کہاں
میری جاں میری جاں، ماورائے گماں!
بس ترے ہی سوا کون ہے مہرباں؟

میرے آقا خدا، میرے من کی صدا
بلبلوں کی ثناء، مؤمنوں کی نوا
گلشنوں کا مزا، دل بر و دلربا
اور کوئی نہیں، بس مرا آشنا!
بس ترے ہی سوا کون ہے مہرباں؟

میری حسرت ہے تو، دل کی چاہت ہے تو
گل کی نکہت ہے تو، لب کی مدحت ہے تو
ذاتِ عظمت ہے تو، شانِ وحدت ہے تو
میری حاجت ہے تو، جگ کی عشرت ہے تو
بس ترے ہی سوا کون ہے مہرباں؟

مناجات

میں طالبِ بے مایہ ہوں، تو صاحبِ جود و عطا
میں ہیچ ذاتِ خستہ ہوں، تو خالقِ ارض و سما
میں عاصی و لاچار ہوں، تو داورِ روزِ جزا
میں بندۂ بے نام ہوں، تو لائقِ حمد و ثنا
میں طائرِ محصور ہوں، تو دافعِ شرّ و بلا
میں گندگی میں غرق ہوں، تو پاک ذاتِ کبریا
میں ناتواں انسان ہوں، تو قوّتوں والا خدا
میں جاہل و بے نور ہوں، تو نورِ ہر دو آشنا
میں ذاتِ فانی ہوں مگر، تو ذات ہے بے انتہا
میں پیکرِ کم مائیگی، تو مائگی سے ماورا
میں مفلس و دستِ دعا، تو مالکِ گنج و سخا
میں اپنے آپ کو دیکھ لوں، تو اپنی شان کو آزما!

دعا

میں اغیار سے اب کٹا چاہتا ہوں
الٰہی میں تجھ سے جڑا چاہتا ہوں

کروڑوں جگہ دل لگا کر کے دیکھا
اب آخر میں تیرا ہوا چاہتا ہوں

مرے دل کی ظلمت کو کر دے تمام اب
تیرے نور سے اب رچا چاہتا ہوں

کسی کے گماں میں نہ میری کھٹک ہو
میں دل صورتِ آئینہ چاہتا ہوں

میں غیروں کی چاہت کو دل سے مٹا کر
تری معرفت اے خدا چاہتا ہوں

زباں تو مری سلب اب ہو چکی ہے
کہ دل سے میں اب کچھ کہا چاہتا ہوں

مری ہر نگہہ سے تیری مدح ٹپکے
میں وہ درد حامیؔ ملا چاہتا ہوں

دعا

الٰہی میں تجھ سے رضا مانگتا ہوں
نہیں مجھ کو معلوم کیا مانگتا ہوں

میں دل تیرا بس آشنا مانگتا ہوں
زوالِ بتانِ فنا مانگتا ہوں

میں تیرا ہی جلوہ، خدا مانگتا ہوں
میں شوقِ سوالِ عطا مانگتا ہوں

میں امراضِ جاں کی شفا مانگتا ہوں
دوائے دلِ بے دوا مانگتا ہوں

ہر اک دم ترا آسرا مانگتا ہوں
الٰہی تجھی سے دعا مانگتا ہوں

مجھے آقا، اپنا ہی دیوانہ کردے
فنا میں اتر کر بقا مانگتا ہوں

ہو جس کی صدا سے یہ افلاک، ٹکڑے
میں ایسا دلِ بے نوا مانگتا ہوں

ہو جسکی مہک سے معطر زمانہ
میں ایسی نسیم و صبا مانگتا ہوں

جو حامیؔ کے سارے گناہوں کو دھو دے
اسی اک کرم کا صلہ مانگتا ہوں

مناجات

الٰہی تو اگر چاہے تو قطرہ بے کراں کر دے
سکوں کو تو رواں کر دے، رواں کو جاوداں کر دے

مجھے عقل و دل و دانش کے بھیدوں سے رہا کر دے
میرے دل کو تعقل کا الٰہی رازداں کر دے

مری چاہت یہی بس ہے، ترا دیوانہ ہو جاؤں
مجھے حیران کر کے پھر، میرے دل کو جواں کر دے

ترے کمزور بندے ہیں، تو کر ہم پر کرم اپنا
تری قدرت مرے آقا، گھڑی کو جاوداں کر دے

مناجات

مرے حالاتِ ابتر پر، کرم اپنا خدا کر دے
مجھے اپنا ہی دیوانہ، تو اپنا آشنا کر دے

فقط اپنی محبت سے، مجھے تو چور کر دے بس
مجھے اغیار کا یارب، مکمل بے وفا کر دے

مجھے عشاق میں گِنوا کے میرا دل ہرا کر دے
کہ ایسا زہد و تقویٰ دے جو خود سے بھی جدا کر دے

کرم تیرا نہ ہو مجھ پر تو پھر کس کو کہوں اپنا
تری ہی ذات میں گم ہوں، تو اپنا ہی فدا کر دے

مجھے دنیا کی الجھن سے، اٹھا کر عالمِ بالا
خود اپنا عشق دے دے پھر، اِسے درد و دوا کر دے

مری نازک نواؤں کو، نہ کر محرومِ منزل تو
مگر منزل پہ لے جا کر، کھرا کھوٹا، کھرا کر دے

ترے محبوب بندوں کا، لیا ہاتھوں میں دامن ہے
انھی کا پاس کر کے پھر، ملک سے ماورا کر دے

مناجات

من عاصیم من بے نوا مولا توئی مولا توئی
مولائی، کن بر من کرم، آقا توئی آقا توئی

دارم نہ غیر از تو، خدا، تو باوفا تو رہ نما
توئی مرا بس ای خدا، ملجا توئی ماویٰ توئی

ای رہنمائے راہ توؐ، از رہگذر آگاہ تو
تو حق نما، تو حق رسا، مارا توئی مارا توئی

مناجات

نمایاں ہو کے دکھلا دے ذرا مجھ کو جمال اپنا
تڑپ کے اب فلک پر ہے، یہ حسرت کا کمال اپنا

تو اب اپنے تقدس کا صلہ دے دے خداوندا
کہ روح عجز سے خالی ہے ہر دم ہر سوال اپنا!

ہوں زندہ تیرے ناموں سے، انھی ناموں پہ مرتا ہوں
یہی اپنا تصور ہے، یہی تو ہے خیال اپنا!

اُسی پر ہے فدا سب کچھ، دل وجاں اُس کے گرویدہ
اگر ایسا نہ ہو تو پھر، یہ حاؔمی ہے زوال اپنا!

لکھوں اک نعت میں ایسی

بڑے آسودہ بیٹھے ہوں فلک پہ ضوفشاں تارے
زمیں، جنگل، شجر، پتھر، ہمہ تن گوش سیارے
برستے ہوں فضاؤں سے کوئی پُر نور فوّارے
کند رقصے چوں بسمل ہم، نمودی چوں رخِ یارے

اچانک میرے دل کے بحر میں کوئی طوفاں سا پیدا ہو
زمین میں زلزلے پیدا، ہوا میں شور برپا ہو
جنوں سا مجھ پہ طاری ہو، رگوں میں ذوقِ صہبا ہو
نہ ہی آشوبِ ماضی ہو، نہ فکرِ حال و فردا ہو

گلے میں طوق الفت کا لئے، گرویدہ ہو جاؤں
فراقِ یار میں نم دیدہ و رنجیدہ ہو جاؤں
لبِ لرزیدہ ہو جاؤں، سرِ شوریدہ ہو جاؤں
سراپا یار کا پانے کو میں سنجیدہ ہو جاؤں

یکا یک میری نظروں میں رخِ جانانہ آجائے
مچل جاؤں کہ جیسے رقص میں دیوانہ آجائے
مرا دل وجد میں، جیسے کوئی پروانہ، آجائے
جگر پھٹنے کو آمادہ، مجھے، یارا، نہ آجائے

قلم مشکیں لئے حاضر ملک ہوں میرے آنگن میں
اٹھا لائیں بہشتی ریشمی اوراق دامن میں
سیاہی عنبریں، کاسہ جلا چاندی کے روغن میں
خدا کے نور کا فانوس لے جبریل چلمن میں

تخیل ہو مرا عالی، صریرِ خامہ الہامی
خیالوں میں نہ ہو میرے کوئی کوتاہی و خامی
ثنا ایسی کہوں، گردوں کی واں ہو جائے گمنامی
لکھوں اک نعت میں ایسی کہ رشکِ رومیؔ و جامیؔ

لکھوں ایسا ملک بے ہوش ہو جائیں وہیں سارے
لکھوں ایسا کہ تڑپے دل کہ جیسے مرغ دم مارے
لکھوں ایسا کہ خسروؔ کا یہ مصرع بھی طرح وارے
'پری پیکر نگارے، سرو قدّے، لالہ رخارے'

محمد، احمد و محمود و حامد، طیّب و طاہر
مکمل، اکمل و کامل، حجازی، ابطحی، ناصر
شہید و شاہد و مشہود و امّی، اول و آخر
رسول و سیّد و مزّمل و مدّثر و امر

کرے میرا قلم وہ رقص کہ بے ہوش ہو جائے
جہاں کا ذرّہ ذرّہ سنتے ہی مدہوش ہو جائے
نبیؐ کے جلوں کا تکیہ مری آغوش ہو جائے
تڑپ ایسا اٹھے حاؔمی کہ بس خاموش ہو جائے

نعت

میرے آقا آ گئے ہیں مرحبا خوش آمدید
آپ کی آمد ہے سارے بے سہاروں کو نوید

آپ کے دل کی مرادوں سے جہاں فاروقؓ ہیں
ہیں عبیدؓ و بوترابؓ و بوہریرہؓ بھی مرید

مرغِ بسمل سی تڑپتی نوعِ انساں کے لیے
آپ سے استادِ کامل کی ہے شاگردی سعید

آپ کے دم سے ابوبکرؓ و عمرؓ عثماںؓ علیؓ
آپ کی جنبش سے پیدا جعفرؓ و ابن الولیدؓ

آپ کے انوار سے روشن جہانوں کے جہاں
آپ کی ہستی ہے ساری ظلمتوں کو اک وعید

آپ کا مدّاح جب ہے سارے عالم کا خدا
کیا کہے پھر یہ مری عاجز زباں، اس سے مزید

مصطفیٰ مصطفیٰ

اے شہہِ دو جہاں، اے حبیب خدا
مصطفی مصطفی مصطفی مصطفی

اے امیرِ حرم، اے امام الامم
اے جہاں کے پیا، مصطفی مصطفی

اے جمیل الشیم، اے جمیع الکلم
شاہِ ارض و سما مصطفی مصطفی

اے فصیح البیاں، اے بلیغ اللساں
اے شہہِ دوسرا، مصطفی، مصطفی

اے حسیں از جہاں، شان ہے بیکراں
تو ہی بعد از خدا، مصطفی، مصطفی

نعت

مرے پیمبر، تری ہی نعتیں، اخیر دم تک رقم کریں گے
جئیں گے تیرے لیے جئیں گے، مریں گے تیرے لیے مریں گے

تری ہی بزمِ وفا سے پائی ہے صدق والفت کی راہ ہم نے
تری ہی الفت، تری محبت، تری اطاعت، کا دم بھریں گے

ترے ہی درسِ عمل سے ہم نے، جہاں پرکھنا، برتنا سیکھا
ترے ہی دکھلائے راستے پر ہمیشہ اپنے قدم دھریں گے

تری نگاہِ شفا سے ہم کو ملا ہے سارے دکھوں کا درماں
پڑے جو مشکل گھڑی، تو ہم پھر ترے ہی در پر نظر کریں گے

غزلیات

(بترتیبِ ردیف)

تلاشا جب خدا کو، ایک ہی پل میں تو پا بیٹھا
مگر تو یار کیا شے ہے، تلاشا تو گنوا بیٹھا

کبھی تجدید یادوں کی میرے دل نے کرائی تھی
مگر جوں ہی دھیاں بھٹکا، پرانا بھی بھلا بیٹھا

خیالوں کو سلا کر میں کبھی خوابوں میں جاتا تھا
مگر خوابوں کی دنیا کو خیالوں سے مٹا بیٹھا

کہا سچ ہے کسی نے، غم میں ہم جنسوں کو ہی ڈھونڈو
کل اک ہارا ہوا بلبل مری باہوں میں آ بیٹھا

قیامت کے تناظر میں اگر حالات کو پرکھوں
کوئی لیٹا تھا اٹھ بیٹھا، کوئی گرتا کھڑا، بیٹھا

کبھی سوچا نہ تھا اتنی دعا میری موثر ہے
میں اس ظالم کو سادہ دل سے اکثر دے دعا بیٹھا

گنہگاری کرا کے پھر پشیمان بھی کراتا ہے
رلاتا ہے، ستاتا ہے، یہ کرتا ہے خدا بیٹھا

مجھے عشق و محبت کے اکھاڑے میں تو لے آیا
مگر خود بام پہ کرسی سجا کے دور جا بیٹھا

کبھی مانی نہیں میں نے بلندی آسمانوں کی
مرے ارضی پہاڑوں پر ازل سے ہے سما بیٹھا

کل اک دہلیز پر بیٹھا، جھکائے سر، کہا سب نے
کوئی رازِ محبت سے بڑا ہے آشنا بیٹھا

بس ٹالتے ہیں ہنس کر، محبوب، غم تمہارا
چھپ جائے دو جہاں سے ظلم و ستم تمہارا

کرتا ہوں سجدے تم کو، لیتا ہوں نام تم کا
میری زباں تمھاری میرا قلم تمہارا!

اب آرزو بھی تم ہو، اب جستجو بھی تم ہو
اب آبرو بھی تم ہو، میں ہوں صنم تمہارا

یادیں تمھاری دل میں اور نام میرے لب پر
مقصود تم ہو میرا، سب ہے کرم تمہارا

اس کشمکش میں میرے دن رات ہیں گذرتے
ہو جائے سب سے کٹ کر ہر ایک دم تمہارا

میری خوشی میں جاناں پنہاں تمھاری فرحت
میرا بھرم وہی ہے، جو ہے بھرم تمہارا

جی چاہتا ہے میرا، تم یاد آؤ رو دوں
ہلکا ہو اس سے شاید رنج والم تمہارا

بیشک ہو دور ہم سے، پر یادوں میں ہمیشہ
فکر و خیال مجھ کو ہے مغتنم، تمہارا

لکھتے ہیں اپنے غم کو اوراق پر بچھا کر
شاعر نہیں میں لوگو، یہ ہے بھرم تمہارا

میں نے ارادے باندھے تم کو پکارنے کے
ہو جائے ہے زباں بند، لیں نام ہم تمہارا

ذکرِ وفا ہو یا پھر، تعریف ہو جفا کی
آئے خیال دل میں بس یم بہ یم تمہارا

نہ غم دل کے دکھانے کا، نہ ہی تیرے ستانے کا
کوئی مطلب نہیں ہے روٹھنے کا یا منانے کا

ذرا ہچکولے کیا آئے مری نیّا کو لے ڈوبے
یہی انجام ہے ٹوٹی ہوئی کشتی چلانے کا

وہ، جس کے ہونٹ، تپتی ریت کی آتش سے جلتے ہوں
اسے کیا حق پہنچتا ہے خوشی سے مسکرانے کا؟

جسے آندھی اکھیڑے، پھونک ڈالیں آتشیں شعلے
ہزاروں تف ہے کاریگر کے ایسا گھر بنانے کا

اداسی، گھُپ اندھیرا، آہٹیں، غم، بے بسی، آنسو
یہی منظر ہے شام و صبح، میرے آشیانے کا

مرے اوراق کے صفحات کی وہ سطریں بھی پڑھ لیتے
کہ جن میں اصل نکتہ چھپ کے بیٹھا تھا فسانے کا

مجھے اندیشۂ فردا و دوش اب کے نہیں، حامیؔ
اُدھر کو موڑتا ہوں رخ، جدھر کو ہو زمانے کا

خیالوں کے دریچوں سے کوئی شہکار ڈھونڈوں گا
مرے ساقی، تری تعریف میں اشعار ڈھونڈوں گا

سمجھتا ہوں کسی ویران دل میں تو نہیں رہتا
مگر میرے دلِ ویراں میں تجھ کو یار ڈھونڈوں گا

ترے چہرے پہ نظریں جم نہیں سکتیں، مگر پھر بھی
ترستی آنکھ سے ہر سو تجھے ہر بار ڈھونڈوں گا

دمِ عشّاق سے رنگیں ہوا رہتا ہے کوئی یار
ہجومِ عشق ان کے بِن، مگر بیکار ڈھونڈوں گا

ترے جانے سے ہر بستی اگر ویران ہوتی ہے
مگر اس دشت میں پھر بھی کئی اسرار ڈھونڈوں گا

بڑی تفتیش پر بھی دل مرا یہ بے ڈگر نکلا
جہانوں کی خبر تو تھی مگر خود بے خبر نکلا

سبھی سے مل کے میں بھی ایک جھونپڑ کو جلا بیٹھا
چلا معلوم جو کرنے تو وہ اپنا ہی گھر نکلا

شب و فردا کی گردش کو ہمیشہ پاسباں سمجھا
مگر بوڑھا کیا جس نے، یہی شام و سحر نکلا

کبھی تو دیکھ لیتے اک نظر اُگتی کیاری کو
پنپتے پیڑ کو سینچا، مگر وہ بے ثمر نکلا

صراطِ زندگی آساں سمجھ کے جو قدم تولے
معمّہ ایک سلجھایا، نیا پیچیدہ تر نکلا

پڑی مشکل، حوادث میں کوئی اسباب گر ڈھونڈے
توکّل کا دمن پکڑا جبھی، تو بے خطر نکلا

چمن کی زندگی دنیا کو نظروں میں بسا بیٹھی
حوادث کے تھپیڑوں میں وہی مچھر کا پر نکلا

تعارض کیا عجب ہے اس جہاں کے کچھ حقائق میں
دھنی کو بے اثر دیکھا، ولی بے آب و زر نکلا

مجھے معلوم تھیں سب مشکلیں راہِ محبّت کی
خدا کا نام لے، قسمت کشائی کو مگر نکلا

صبح دم گنجینۂ گوہر ملا!
گھستے گھستے بت کدے کا در ملا!
کیوں نہ ہوں اب رحمتوں کی بارشیں
در پہ تیرے بے سروں کو سر ملا!
جس کو تو نے پاس ہے بلوا لیا
دیں ملا اخریٰ ملی اور زر ملا
میں نے دیکھا جلتے اک پروانہ کو
صرف مجھ کو اس کا ٹوٹا پر ملا
ہے فقیری میں امیری ہی نہاں
قصر مجھ کو خلد کے اندر ملا

ہم سے بھی کچھ کہا کرو صاحب
کچھ ہماری سنا کرو صاحب
توڑ دیتی ہیں غم زدہ آنکھیں
مسکرا کے ملا کرو صاحب
چاہتے ہیں تمھیں جو اتنا ہم
تم بھی ہم سے وفا کرو صاحب
ہم تمھارے ہی باوفا ٹھہرے
ہم کو بھی آشنا کرو صاحب
اک تمھارے بنے ہیں دیوانے
کچھ قدر کر لیا کرو صاحب
یاد کرتے تمھیں نہیں تھکتے
بھولنے کا گِلا کرو صاحب!
عشق کرنا خطا سمجھتے ہو؟
منتخب پھر سزا کرو صاحب
آپ کا نام اتنا میٹھا ہے
خود بھی گا ہے رَٹا کرو صاحب

میں خوش ہوں تیری الفت میں، بھلے ہو دور اے دلبر
ستارے دور ہوتے ہیں مگر پرنور اے دلبر

مجھے تیری ہی یاد آئے، نہ کوئی دل کو اب بھائے
میں رہتا ہوں تری فرقت میں بھی مسرور اے دلبر

تمنا ہے مرے دل کی تجھے دیکھوں تو بس دیکھوں
مسلسل ہوں تیرے دیدار سے مخمور اے دلبر

تجھے پاؤں، نہیں پاؤں، اب اس سے ماورا ہوں میں
مگر تجھ سے محبت ہے مجھے بھرپور اے دلبر

کسے معلوم ہے، میرے تعلق کا، کہ کیا ہوگا
مگر امید ہے دل میں چوں شمع طور اے دلبر

اگر نیّت ہو صادق، بات گو ہو چند لفظوں کی
تو کرتی ہے اثر، جیسے نوائے صور اے دلبر

مری زندگی کا مدار تو، ہے فقط خیالِ شراب پر
نیا طرز بھی نئی سوچ بھی نہیں منحصر ہے سراب پر

نہ سلیقہ مجھ میں حکیم کا، نہ طریقہ مجھ میں ادیب کا
نہ ہی شعر کا مجھے علم ہے، نہ مرا یقیں ہے کتاب پر

نہ ہی غیر ہوں نہ میں آشنا، نہ بھلا ہوں میں نہ ہی پھر برا
نہ فدا ہوں تیرے شباب پر، نہ سوال پر نہ جواب پر

ہوئی جو اذاں تو میں سوتا ہوں، جو قضا ہوئی تو میں روتا ہوں
میں نقوش و رنگ پہ کھوتا ہوں، نہ فریفتہ ہوں رباب پر

نہ رہا میں ہوش و خیال میں، نہ ہی ہجر میں نہ وصال میں
نہ لگامِ عقل ہے ہاتھ میں، نہ ہے پاؤں دل کے رکاب پر

نہ ہمالہ کا ہوں فدائی میں، نہ فدائی خطۂ ہند کا
نہ میں مغربی ہوں نہ مشرقی، نہ مَرا ہوں سندھ و چناب پر

نہ میں حزن ہوں نہ ملال ہوں، نہ گداؤں کا میں سوال ہوں
نہ زوال ہوں نہ کمال ہوں، نہ کھڑا ثواب و عذاب پر

نہ خوشی کی ہوں میں تلاش میں، نہ میں غمزدہ، نہ ملول ہوں
رخِ یار کا نہ حجاب ہوں، نہ فدا ہوں چشمِ جناب پر

نہ خیال کی ہوں بلندی میں، نہ ہوں پارسی نہ ہوں ہندی میں
نہ اداؤں کا ہے خیال پھر، نہ دھرے ہیں گوش خطاب پر

نہ محبتوں میں گھِرا ہوں میں نہ حبیب ہوں نہ محب ہوں میں
نہ مَرا ہوں زلفِ سیاہ پر، نہ فدا ہوں خانہ خراب پر

نہ میں نیک ہوں نہ میں پارسا، نہ ہوں فاسقوں میں گِنا گیا
نہ طویل عمرِ خضر ہوں میں، نہ مری جِبل ہے حباب پر

میں فدا ہوں ربِّ جلیل پر، یہ کرم ہے مجھ سے ذلیل پر
دھرو کان میری دلیل پر، میں مَرا ہوں عشق مآب پر

نمی گویم کہ در دنیا شہہ و سردار می ہستم
درونِ دل سکوں دارم، تبسّم بار می ہستم

نیم مجنوں و لیکن یار می دارم، ز عشق او
جنوں گویم، جنوں کردم، جنونِ یار می ہستم

بگیرم از ترا گیسو، ترا نازے فدا کردم
چگونہ می جدا شویم، سراپا یار می ہستم

پدر دارم، مرا عالم ز او رخشندہ می بودم
و آغوش امومت چوں در و دیوار می ہستم

ولی دارم، سخدان و قدردان و وفا پیکر
خدا رحمت کند، چوں سایۂ اشجار می ہستم

مرا حامؔی چہ فکر یست کہ ایں عالم مرا بودم
کہ عالم می فدا بودم کہ ذی اسرار می ہستم

ہو خوابوں خیالوں میں یوں بس گئے تم
پھر اتنا پرے مجھ سے کیوں بس گئے تم

مرے ذکر میں تم، مری فکر میں تم
ہو یادوں میں مِثلِ جنوں بس گئے تم

ترا ہی خیال اب ہمیشہ ستائے
مرے دل کی رگ کے دروں بس گئے تم

تمھارا ہی دل میں جنوں دوڑتا ہے
میرے انگ میں مثلِ خوں بس گئے تم

نکلتی ہیں آہیں جو تم یاد آؤ
میرے دل میں اب کیا کروں بس گئے تم

غمِ دل کے سائے ابھرتے ہیں رخ پر
کسی سے میں اب کیا کہوں بس گئے تم

تمھیں نے میری زندگی بس چُرا لی
تمھارے بنا کیا جیوں بس گئے تم

نہ ہے نامہ بر ہی قلم ہے نہ دم ہے
تمھیں میں یہ کیسے لکھوں بس گئے تم

اگر تم کو مجھ سے بچھڑنا ہی تھا پھر
میرے دل کی دنیا میں کیوں بس گئے تم

نہ جاتے ہو دل سے، نہ ہو پاس آتے
تو کہہ دو! جیوں یا مروں، بس گئے تم

جھکا کر کے اپنے گریباں میں چہرہ
میں دھڑکن میں تم کو سنوں بس گئے تم

صراحی کو میری طرف بھی جھکا لو
تری مے سے میں بھی پیوں بس گئے تم

اب آخر مجھے بھی بُلا، اے صنم
کہ عشقے نہ دارد دوا، اے صنم

بغفلت مبر لمحۂ زندگانی
یہ لمحات ہیں بے بہا، اے صنم

کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر
دلِ من ہے تجھ پر فدا، اے صنم

مکن ظلم بر من کہ دیوانہ ہوں
مجھے اپنے دل میں بسا، اے صنم

تو گر خواہی، میں ہوں ترا آشنا
ترے بن کبھی سے کٹا، اے صنم

عنایت بکن ایک شب کے لیے
مجھے بانہہ میں لے دبا، اے صنم

دلا، گر محبت کنی اختیار
نہ کر فکر، وہ ہے ترا، اے صنم

نگہہ کُن کہ ہستم اسیرِ وفا
دکھائی تو دے، ہے کجا اے صنم

بکن صبر اے دل، خوش کن سدا
یہ عالم ترا ہے ترا اے صنم

بن تیرے جہاں دیکھا، بے نور زمین بینم
انوار جہاں دیکھے، تجھ کو بھی وہیں بینم

عالم میں جو یار آمد، ہر شئے میں بہار آمد
لگتا ہے یوں، خود کو میں در خلدِ بریں بینم

در تیرا کھلا تھا کل، میں واں جو گیا تھا کل
اک نقشِ حسیں بینم، کرسی پہ نشیں بینم

شیدا تری دنیا ہے، میرا جو ہوا تو بس
دل میں تو خوشی پالی، عالم کو حزیں بینم

در عشق و جنوں میں، نے دو لوگ حزیں دیکھے
عاشق کو کہیں دیکھا، معشوق کہیں بینم

تیرے جو ہوئے عاشق، تجھ کو جو منایا ہے
اب اپنے غلاموں میں، دنیا کے مکیں بینم

اس عشق کی آتش سے جلتا ہوں پگھلتا ہوں
لیکن تری چالوں سے میں بچ کے نکلتا ہوں
ہر ایک قدم تجھ سُو بے ساختہ اٹھتا ہے
گرتا ہوں سنبھلتا ہوں، پھر اٹھ کے پھسلتا ہوں
الفت میں تری میں نے، کیا کیا نہ کیا جاناں
بے چین جو ہوتا ہوں تو بھیس بدلتا ہوں
جب جس نے جہاں دیکھا، تم ساتھ نہیں ہوتے
وہ لوگ یہ کیا جانیں، کن باہوں میں پلتا ہوں
اس عشق کے خاروں کی لذت سے شناسا ہوں
بن تیرے ہزاروں، میں، پھولوں کو ملتا ہوں
حامؔی تو نہیں شاعر، حالات بناتے ہیں!
اک یاد میں رہنے کو اس راہ پہ چلتا ہوں

اک دیدۂ بینا ہوں، میں بے نور نہیں ہوں
ہر پیچ و خمِ حُسن سے مسحور نہیں ہوں

مدّت سے میں غمخواریِ غم کا ہوں طرف دار
صد شکر، مسرّت میں تو رنجور نہیں ہوں

مانا کہ وفا کے وہ مکلّف ہی نہیں تھے
کہنا کہ "وفاؤں پہ تو مامور نہیں ہوں"

گبھراؤ نہیں، جھٹ سے حجابوں کو ہٹا دو
میں سینۂ آدم ہوں کوئی طور نہیں ہوں

گو قید ہوں ایامِ جفا کے ہی قفس میں
لیکن میں خیالات کا محصور نہیں ہوں

(ق)

کہنے دو! اگر کہتے ہیں کچھ لوگ، جنوں خیز
مے خوار ہوں، لیکن یہ کہ، مخمور نہیں ہوں

یزداں کی خلافت کی قبا پہنی ہوئی ہے
ابلیس کے افکار کا مفکور نہیں ہوں

ایمان کے لشکر کا مجاہد ہوں جہاں میں
اس عالمِ اسباب کا مجبور نہیں ہوں

ہے عشق کی لذّت کا تفاخر مجھے حاصل
بے وجہہ بناوٹ پہ تو مغرور نہیں ہوں

گو تُند و سُبک گام مسافر بھی نہیں میں
درماندۂ جنت ہوں، مگر دور نہیں ہوں

ہم نے تو بنا رکھی ہیں اب بُردہ، سلاخیں
مہکی ہوئیں، چمکی ہوئیں، جوں وردہ، سلاخیں

صیّاد نے بھیجا ہے بلاوا مجھے کہہ کر
رہتی ہیں ترے جانے پہ افسردہ سلاخیں

سینے کے قفس میں ہے مقیّد مرا دل بھی
پسلی نہیں، فطرت کی ہیں، طے کردہ سلاخیں

قانوں ہو کمیٹی کہ صحافت یا عدالت
حکّامِ زمانہ کی ہیں پروردہ سلاخیں

کتنے ہی عجائب ہیں زمانے کی روش میں
مجرم تو بدن پوش ہیں، بے پردہ سلاخیں

گو قید تو کرتے ہو مگر یہ تو سمجھ لو
با ذوق ہیں، بھاتی نہیں نم خوردہ سلاخیں

آزادیٔ افکار کے نعرے تو ہیں دل کش
دیکھو تو مگر ان میں ہیں در پردہ سلاخیں!

حامؔی بھی پریشان ہے آزاد فضا میں
اِس کو تو ستاتی ہیں وہ گم کردہ سلاخیں

عاجزی ہے، بے بسی ہے، بے کلی، کیا نام دیں
کیفیاتِ زندگی کو زندگی! کیا نام دیں

معجزاتِ عاشقی کو، بت گری کیا نام دیں
شیوۂ صورت گری کو، کافری کیا نام دیں

سجدہ ہائے پُر اثر یا ذکر و تسبیح و دعا
رسم و راہِ بندگی کو بندگی کیا نام دیں

آج مٹکوں کو اڑا کے جی نہیں بھرتا اگر
تُو بتا دے ساقیا! یہ تشنگی کیا نام دیں

میرے دل کی دھڑکنوں میں وہ دھڑکتا ہو اگر
عاشقی کے اس جنوں کو، عاشقی کیا نام دیں

دل کے ہاتھوں قید ہو کر یہ قلم لکھتا گیا
داستانِ زندگی کو، شاعری کیا نام دیں

کوئی آنکھوں میں اگر آ کر سمائے، کیا کریں
دیکھتے ہی دیکھتے، گر دل کو بھائے، کیا کریں

اس قدر معصومیت ہو جس کے رخ پر جلوہ کن
اس پہ دل کو پیار اگر رہ رہ کے آئے، کیا کریں

دیکھنا مڑ مڑ کے ان کا، وقفے وقفے سے، مجھے
ایسی باتوں پر اگر دل مات کھائے، کیا کریں

روح کی پاکیزگی ہے زلف و عارض سے عیاں
اس تصور کو، ہوس، کوئی بتائے، کیا کریں

ڈور کھنچتی ہی چلی جاتی ہے دل کی اس طرف
کوئی، اس وارفتگی کا، بھی بتائے، کیا کریں

گو کہ مشکل ہے سفر عشق و محبت کا مگر
اک پری پیکر سے آخر ہو ہی جائے، کیا کریں

ہم کو تو ہنسنے سے فرصت ہی کبھی ملتی نہ تھی
آج اس کی یاد جو آکر رلائے، کیا کریں

جھانک لے جو ارغوانی جھیل سی آنکھوں میں گر
اور پھر ان میں پھسل کر ڈوب جائے، کیا کریں

ترک گو ہم نے بڑی مدّت سے کی تھی مے کشی
ان کے رستے میں قدم پھر لڑکھڑائے، کیا کریں

حامیِؔ دلسوز کو روکو غزل گوئی سے تم
سن کے لوگوں کا کلیجہ منہ کو آئے، کیا کریں

ایسے گمان گذرے رہ رہ کے میرے من میں
پلتے نہیں ہیں صابر، آئین کے دمن میں

کیسے خیال گذرے کیا کیا طرح نہ سوجھی
ہر بار کچھ نہ پایا، کھویا ہی ہر جتن میں

دنیا کے انجمن کو ہستی سے اب جلادو
بس اب صلاح ٹھہری، کہرام کی پون میں

میں سن رہا ہوں شاید نغموں کو بلبلوں کے
محفل سجا کرے گی، اب دامنِ چمن میں

ہستی مری نہ ٹھہری طوفانِ یم کے آگے
بس اک شرر رہا ہے، وہ بجھ نہ جائے من میں

اب محفلِ جہاں میں کوئی نہیں شناسا!
یارانِ کارواں کو، کھینچے کوئی ہے، فن میں

شاعر نہ بن سکا میں، پر اپنے دل کا غالبؔ
دلّی کے میرزا کی، حسرت نہیں ہے من میں

کوئی تو ہو جہاں میں، سنتا جو آدمی کی
کچھ نے خدا کو پوجا، کچھ آ جھکے چمن میں

محشر کے دن حضوری، جو ہو خدا کے آگے
شاہد کے طور، ان کی تصویر ہے، کفن میں

کل زاہدوں سے گذرا، پھر آج فاسقوں سے
کل آدمی سے گذروں پھر جار کوں میں بن میں

برس ہا برس، میں رہا جستجو میں
نہ آیا کوئی فرق بھی آرزو میں

میں جیتا ہوں فکر و تصور سے انکے
ہیں بیٹھے خیالات کے تار و پو میں

ترا ہی قفس، تنگ مجھ پر ہوا ہے
وگر، ہو نہ پایا اسیرِ عدو، میں!

میں کرتا رہا ان کا ہی ذکر ورنہ
کہیں مر نہ جاتا ملالِ سبو میں

یہ دنیا بدل کیا سکے میرے دل کو
مگر گھِر گیا بس تری گفتگو میں

کبھی ڈر نہ تھا مجھ کو سود و زیاں کا
گنواتا ہوں تجھ پر سبھی ہوش و خو میں

تیرے در پہ آ کر بلایا ہی ہوتا
یہ کرتا ہوں پاسِ سدا آبرو، میں!

نہ مایوس ہوا ان کی اس بے رخی سے
ابھی رنگ باقی ہے تیرے لہو میں

ہیں میری دعائیں تیرے ساتھ ہر دم
کہ بہتا رہے ان کے دریا و جو میں

کبھی بھی نہ حامیؔ کسی پر فدا تھا
مگر کھو گیا بس ترے رنگ و بو میں

نہ ہوں منتظر میں جواب کا، نہ سوال کر کے ڈرا ہوں میں
نہ نیاز مندِ جہاں ہوا، نہ گدا کسی کا بنا ہوں میں

مرا فقر بھی ہے عجیب تر، نہ کبھی کسی پہ رکھی نظر
نہ ملا کبھی مجھے طشتِ زر، نہ کسی کے در پہ جھکا ہوں میں

کبھی زاہدوں میں گنا گیا، کبھی فاسقوں سے بھی آملا
کبھی یاں جھکا کبھی واں جھکا، کسی اک طرف نہ رہا ہوں میں

میں اسیرِ حرص و ہوا بھی ہوں، مگر ایک عبدِ خدا بھی ہوں
میں جہاں میں شمع نما بھی ہوں، پہ سما پہ چڑھ کے گرا ہوں میں

میں کسی کے پاؤں کی خاک ہوں، میں نجوم و شمس و فلاک ہوں
میں غلامِ سرورِ پاک ہوں، کسی ارض کا ہی سما ہوں میں

ہم سُنا کرتے ہیں سب کچھ، پر کہا کرتے نہیں
جو وفا کرتے ہیں سب سے، وہ گلا کرتے نہیں

دونوں عالم میں نہ پایا تم سا کوئی دلربا
جو ستاروں پر پلے ہوں وہ ملا کرتے نہیں

ہم نے مانا ہیں برے، پر تیرے ہی تو ہو چکے
ہوں بھلے یا پھر برے لیکن برا کرتے نہیں

ہم مسلمانوں کی ہے کچھ شان ہی ایسی بلند
ہم کٹا کرتے ہیں لیکن، ہم جھکا کرتے نہیں

ہم محبت کے شہیدوں میں نہ گر شامل ہوئے
پر محبت کے پرستاروں سا کیا کرتے نہیں؟

عاصیوں کے زمرۂ اول میں ہیں شامل مگر
بے وفاؤں کی طرح ہر پل جفا کرتے نہیں

ہے فغاں گر بے ادب لوگوں کا اندازِ سخن
توبہ آہوں سے مگر ہم بے نوا کرتے نہیں

سبھی کو تو اہل نظر تولتے ہیں
مگر کچھ کو تیغ و سپر تولتے ہیں

ترازو ہے دل کا کہ تربوز کا یہ
جگر چاک کر کے جگر تولتے ہیں

ہمیں تو نہ غم ہے، نہ کوئی توجہ
مگر ہم متاعِ دِگر تولتے ہیں

ہمیں کر کے مجبور آہ و فغاں پر
یہ کہتے ہیں، تیرا ہنر تولتے ہیں

ترے حسن کا یہ جہاں ہے ترازو
جنوں کو مرے، دشت و در تولتے ہیں

مرا عشق چھلکا ہے پیمانہ سے ہی
کہا بھی نہ تولیں، مگر تولتے ہیں!

جس کی آتش سے لرز اٹھتا ہو یہ کون و مکان
وہ محبت، آشنائے وصل و ہجر و در نہیں

جن کی شوخی سے مہک اٹھتے ہیں سب عقل و خرد
ان خیالوں کی جگہ اب ذہن کے اندر نہیں

جو کرشمہ آرزو کی لذتِ بے دم کا ہو
وہ مزہ الطاف کی گھڑیوں میں یوں خوش تر نہیں!

موت کے اک غار کی مانند ہے دل وہ سیہ
جس کے بحرِ عشق کی موجیں ابھی ابتر نہیں!

نام لے محبوب کا ہر دم زباں سے عشق میں
تیرے دل کی کیمیا کوئی ازیں بہتر نہیں!

جس کے دل میں بس گیا ہو نام اس کا تہہ بہ تہہ
ساری دنیا کے دلوں میں ہے سکوں، جو گھر نہیں!

مسِ نا پختہ کو بھی جذبۂ فولاد دیتے ہیں!
سبق پروازیِ کوتاہ کا، کب خاد دیتے ہیں؟

مجھے اس عالمِ دنیا کی بس اک بات کھلتی ہے
دمِ باریک پر بھی زندگانی لاد دیتے ہیں

کچھ ایسے پیچ و خم ہیں عُقدۂ تارِ مقدر میں
کہ اکثر جال کے دھاگے میں، جوں صیاد دیتے ہیں

پسِ فرقت کوئی جی کر کے دکھلائے تو ہم مانیں
وگرنہ، ہجر میں جانیں کئی افراد دیتے ہیں!

خموشی ڈھل گئی دیوانگی میں دشت و صحرا کی
چمن والے بھی کیا عُشّاق کو امداد دیتے ہیں؟

سخن دانوں سے کیا اُفتادگی کی بات کرنی ہے؟
ذرا سی واہ کہتے ہیں، ذرا سی داد دیتے ہیں!

فنا دل سے سارے گماں ہو گئے ہیں
تری بزم کے ہم زباں ہو گئے ہیں

قدم تیرے چومے ہیں جن راستوں نے
وہ دیوانوں کے آشیاں ہو گئے ہیں

مری جان کہہ کر پکارا تھا جس نے
اب اس کیلئے ہم فلاں ہو گئے ہیں

جو دل ہو گئے تیری یادوں سے غافل
اسیرانِ عشقِ بُتاں ہو گئے ہیں

جو کچھ اہل دل نے مرے غم کو سمجھا
وہ سارے مرے ترجماں ہو گئے ہیں

دُکاں پر تری ہم بکے ہیں جو حامیؔ
خدا کی قسم جاوداں ہو گئے ہیں

چلو مجلس میں بیٹھے دوستو محفل کو گرمائیں
کہ اپنی آتشِ دل سے چراغِ بزم بھڑکائیں
کبھی الفت کے گیتوں کو زبانِ دل سے دہرائیں
کبھی ہنس کر ذرا رو دیں کبھی رو کر بھی مسکائیں
چلائیں دورِ ساقی سے ذرا کہہ دو کہ ہم آئے
نہ پینے کا جسے ہو شوق اسکو جام پکڑائیں
کبھی ہجراں کے نغموں سے فضا افسردہ سی ہو لے
کبھی ان کے نکھرتے جلوؤں کو ہم دل میں لہرائیں
مرے یارو کسی پل بھی توجہ مت ہٹانا تم
کسے معلوم، کس لمحہ، حجابِ نورِ سرکائیں
کوئی بلبل کی صورت نغمۂ حسن و چمن گائے
کوئی چوں چوں کوئی کُو کُو کوئی غاں غاں کوئی کائیں
ارے! حامی اسی مجلس کے کونے میں تو بیٹھے ہو
چلو اشعار کہتے ہو، کہ ہم تم سے کہلوائیں

میں تو دیوانہ ہوں، بستی سے نکالو مجھ کو
آگ سے پھونک دو، مٹی میں دبالو مجھ کو

رحم تو اب نہ کرو، تم مجھے چھلنی کر دو
مجھ کو پتھر سے بھی مارو یا مٹا لو مجھ کو

اب کلیجہ بھی نکالو، یہ زباں بھی کھینچو
میں اندھیرا ہوں، مجالس سے اٹھالو مجھ کو

لوگ ہنس دیں گے مری موت کے آتے آتے
دیر کیوں کرتے ہو سولی پہ چڑھالو مجھ کو

مجھ کو دریا میں اگر ڈوبتے دیکھو جب بھی
اپنے ہاتھوں کو بھی کھینچو، نہ سنبھالو مجھ کو

میرے خرمن میں جو آتش ہے مرے دل کی ہے
اِس کو بجھنے بھی نہ دو تم، جو سُلا لو مجھ کو

اک مسیحا بھی نہ آئے مرے لاشے پر جب
میری لاچاری، تماشے میں، دکھا لو مجھ کو

میرے مرتے ہی وہ شیشہ وہیں فوراً توڑو
اُس پیالے میں ہلاہل، جو پلا لو مجھ کو

اب میں سننے کو رہا ہوں، ہے سنائے دنیا
تم خموشی میں کیوں گم ہو، کہ سنا لو مجھ کو

اے رے حامؔی ! تجھے کیا ہے، کہ دلاسہ دو تم
تجھ کو بولا کہ زمانے سے چھڑا لو مجھ کو؟

مجھ پر تو بیت جائے، انھیں کو خبر نہ ہو!
گو شاخ ٹوٹنے پہ بھی غمگیں شجر نہ ہو!

اب ہم بھی کر گئے ہیں وہی بے اثر سی بات
ایسی بھی کوئی بات ہے، جس کا اثر نہ ہو؟

تم ساحلوں کو چھوڑ کے دریا میں کود کر
اب یہ بھی چاہتے ہو کہ آگے بھنور نہ ہو!

ہے قول و فعل ہی ترے اندر کا آئینہ
یہ کب سے ہے؟ دھواں تو ہو، لیکن شرر نہ ہو

ٹھکرا کے سب کو در سے، کہو، چاہتے ہو کیا
کوئی بھی اب سے آپ کا مشتاقِ در نہ ہو؟

اس بے رخی کا کیا کریں کوئی بتائے بھی
میں زیر ہو کے پیش ہوں، اور وہ زبر نہ ہو

اب تو لٹا چکا ہوں متاعِ حیات بھی
اب جا کے رائیگاں کہیں میرا سفر نہ ہو

ہے وحشتِ حیات میں منزل کی جستجو
لیکن کہیں نصیب میں اپنا ہی گھر نہ ہو!

حاؔمی کی جستجو بھی تو دیکھو عجیب ہے
ایسا حصارِ عشق، کہ جس سے مفر نہ ہو

کیوں چاہنے والوں میں پا کر
یوں چیں بجبیں ہو جاتے ہو
اب رخ کو نہ موڑو تلخی سے
یوں اور حسیں ہو جاتے ہو
عالم کو بنا کر شیدائی!
طارم پہ مکیں ہو جاتے ہو!
بس ناز و ادا سے تم تو صنم
پیوندِ زمیں ہو جاتے ہو!
تم ڈوبو یہاں تو غم بھی نہیں
ظاہر، کہ کہیں ہو جاتے ہو!
گر تلخ کلامی ہو جائے
مغموم و حزیں ہو جاتے ہو!
حامؔی ہو خیالوں میں کس کے
غائب کہ وہیں ہو جاتے ہو!

ذوق ہی تھا نے ارادہ، پر لکھا بے ساختہ
آج کاغذ پر قلم چلتا گیا بے ساختہ

داستانِ غم سنانے کا ارادہ تو نہ تھا
رات کے پچھلے پہر میں کہہ چلا بے ساختہ

مجھ کو صحرا کے سرابوں کی فضا معلوم تھی
سحر آگیں جاذبیّت سے کھنچا بے ساختہ

اک جھلک سے محفلوں کی محفلیں گرما گئے
پھر کہا رخ سے حجاب اٹھتا گیا بے ساختہ

کیا نظر تھی جس نے تجھ کو یوں دِوانہ کر دیا
کہہ گئی عاجز زباں بے ساختہ! بے ساختہ!

غیر ممکن تھا مری جانب سے تیرا ذکر بھی
میری غزلوں میں ترا نام آگیا بے ساختہ

رات انکی بزم آرائی ہوئی تھی شہر میں
میں چلا، بے دست و پا، بے آسرا، بے ساختہ

موسمِ برسات کے باراں پہ تو حیراں نہ ہو
میری آنکھوں سے رواں ہے قلزمِ تقدیر بھی

حُزن ہو یا شادمانی، قُرب ہو یا بُعد ہو
پھر بھی ہر اک حال میں ہے کاوشِ تعمیر بھی

یوں تو ہے دل آئینے میں حسن کے تیرے صنم
روح کے اطراف لپٹی ہے تری زنجیر بھی

دب کے رہتے ہیں میرے نالے میرے سینے میں ہی
تم نہ گر سن پاؤ اِن کو، ہے مری تقصیر بھی

دے مری اس بے قراری کو سکوں میرے خدا
خواب میرا یاس ہے، اور بے کلی تعبیر بھی

میں سخن داں ہوں، اگرچہ ہے حقیقت یہ مری
خام ہے میرا تخیّل، خام ہے تدبیر بھی

شاعروں میں کیا گنوں تجھکو بھلا، اس بزم میں
غالبؔ و اقبالؔ ہیں یاں، ذوقؔ بھی، یاں میرؔ بھی

اِدھر میرے دلِ ویراں کی ارزانی نہیں جاتی
اُدھر اُن کی سرشتِ شوقِ سلطانی نہیں جاتی

کبھی طوفان اٹھتے ہیں، کبھی موجیں بپھرتی ہیں
محبت کے سمندر کی یہ طغیانی نہیں جاتی

ہمیشہ سوچتا ہوں چوم لوں قدموں کو ماتھے سے
مگر اُس پائے زیبا تک یہ پیشانی نہیں جاتی

گئی شب خواب میں آکر مجھے جلوہ دکھا بیٹھے
ابھی بھی دیدۂ حیراں کی حیرانی نہیں جاتی

محبت میں بہے کچھ آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں
'بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی'

وہ خود آنے سے تو رہتے، بلانے پر نہیں آتے
اُدھر ان کی، اِدھر میری، پریشانی نہیں جاتی

گہے جاگے، گہے سوئے، گہے خوابوں میں کھوئے، پر
کسی صورت شبِ ہجراں کی طولانی نہیں جاتی

بہت دِقّت طلب رستوں پہ بھی ہمّت سلامت ہو
ہر اک مشکل میں بھی، تھوڑی سی آسانی، نہیں جاتی

زمانہ شوق کے ساغر چھلکتا جائے ہے لیکن
مری قسمت سے تو آشوب سامانی نہیں جاتی

وہ جو مردانِ حُر ہوتے ہیں، وہ جھکتے نہیں ہرگز
خوشا! دیکھو، کہ مر کر بھی وہ تابانی نہیں جاتی

اگر انسان انساں ہو، تو اس کے فعل سے، حامؔی
کبھی انجانے میں بھی خوئے انسانی نہیں جاتی

محبت کی محبت چھین لی! جس سے محبت تھی
محبت اس قدر کی، اب محبت کی نہیں جاتی

محبت تو بہت ہے کار و بارِ عشق سے مجھ کو
مگر ایسے خسارے کی تجارت کی نہیں جاتی

تم اپنے اوچھے پن سے باز ہی آؤ تو اچھا ہے
ہم ایسے سرفروشوں سے عداوت کی نہیں جاتی

خوشی اپنی نبیڑو تم، ہم اپنا غم نہیں دیتے!
کہ دل والوں سے اتنی بھی سخاوت کی نہیں جاتی

مصلّے کے قریب اک جام بھی رکھ لو مساجد میں
وگرنہ ہوش والوں سے عبادت کی نہیں جاتی

کچھ تو ہم پر گذر رہا ہوگا
ہم کو عادت نہیں تھی رونے کی

اب تو موتی بکھر گئے ہوں گے
چھوڑ دی ہم نے دُھن، پرونے کی

ایک مدت سے کچھ نہیں مانگا
کیا ضرورت ہے میرے ہونے کی

کچھ سفینہ ہی سخت جاں نکلا
ورنہ سازش تو تھی ڈبونے کی

آپ ملتے تو کس طرح ملتے
ہم کو عادت ہے سب کو کھونے کی

رَت جگی میں بھی کیا ملا حامیؔ
اب کے ٹھانی ہے، خوب سونے کی

ترا حُسن نیا، تری مے نئی
میں سناؤں تجھ کو یہ لے نئی

مرے دل پہ زخم نیا لگا
یہ دوائے درد بھی ہے نئی

مرے شعر کے اثرات سے
ہوئی ہے روش بھی یہ طے نئی

ذرا چکھ اسے یہ لذیذ تر
جو محبتوں میں ہے شے نئی

میں ہوا اسیرِ وفائے یار
ہے کسی کی مجھ پہ جو نے نئی

کبھی بھی ہم تمھارے سامنے گویا نہیں ہوتے
ہمیں تم سے محبت کس قدر ہے، کہہ نہیں سکتے

ترا نام آئے ہونٹوں پر تو گھبراتا ہے جی میرا
محبت کا یا وحشت کا اثر ہے، کہہ نہیں سکتے

یہ مانا بھی تری آنکھیں شرافت میں مثالی ہیں
مگر غمزہ ترا بھی بے ضرر ہے، کہہ نہیں سکتے

تری ہستی مرے ہوتے مزیّن ہو چلی لیکن
یہ ہستی میرے گلشن کا ثمر ہے، کہہ نہیں سکتے

اگرچہ میں ترا حامی ہوا، تُو میرا مونس پر
میں تیرا، تُو مرا دستِ نگر ہے، کہہ نہیں سکتے

غضب ڈھایا ہے دل والوں پہ تم نے، یہ سنا ہم نے
مرے دل میں سلگتا اک شرر ہے، کہہ نہیں سکتے

کچھ ایسی ہوگئی پیدا ترے آنے سے طغیانی
یہ موجیں ہیں کہ ساحل یا بھنور ہے، کہہ نہیں سکتے

میں اپنی موت کے ٹلنے کی خواہش تو نہیں کرتا
مگر الفت کے مستقبل کا ڈر ہے، کہہ نہیں سکتے

وہ چھٹتے ہی جما جاتے ہیں رعب ایسا کہ اکثر ہم
''ہمیں بھی چھوڑ جانے کا ہنر ہے''، کہہ نہیں سکتے

اندھیری کو یکسر بھگایا ہے میں نے
دیا ہر گلی میں جلایا ہے میں نے
نکمّا نہ سمجھو کہ گرتے دنوں میں
زمامِ جنوں کو اٹھایا ہے میں نے
فنا کر کے بحرِ محبت میں خود کو
رموزِ محبت کو پایا ہے میں نے
یہ دشت و بیاباں، یہ کہسار و جنگل
انھیں آج دیکھو بسایا ہے میں نے
کئی موڑ لاتی رہی زندگانی
ہر اک موڑ پر مسکرایا ہے میں نے
انھی سے کوئی بھول سی ہو گئی ہے
پیمبر کو سب کچھ بتایا ہے میں نے
یہ وارفتگی مجھ کو جینے نہ دے گی
بہت سوچ کر دل لگایا ہے میں نے

فضائے ہر دو عالم ہنس پڑے جب یار ہنستا ہے
وگرنہ خشک ہونٹوں میں چھپا ہر خار ہنستا ہے

مری سرگوشیوں میں کچھ عجب آواز رہتی ہے
کہ جیسے غار میں بیٹھا کوئی خونخوار ہنستا ہے

یہ کس منحوس نے میری حسیں وادی کو دیکھا تھا
کہ اب سرخی سڑک پر دیکھ لالہ زار ہنستا ہے

میں جب دیکھوں حسیں ہونٹوں پہ پھیلی مسکراہٹ کو
مرے سینے میں بیٹھا صاحبِ کردار ہنستا ہے

کسی بے بس کی عرضی تلملا اٹھتی ہے چپ کے سے
بہت مایوس کن لہجے میں جب انکار ہنستا ہے

مروّت، درد، عفّت، عشق و الفت مل کے روتے ہیں
کہ جب مظلوم عورت دیکھ کے غمخوار ہنستا ہے

کسی جھونپڑ میں خالی دیگچی جل جل کے روتی ہے
کسی کاخِ سما اندوز میں انبار ہنستا ہے

میں جب بھی آئینے میں دیکھتا ہوں اپنے چہرے کو
بہت حیران ہو کے آئینہ ہر بار ہنستا ہے

ہمیشہ ہنس کے ملتا ہوں میں جب لوگوں سے محفل میں
مرے اندر کوئی بیٹھا ہوا بیزار ہنستا ہے

قفس کا وہ دیوار و در دیکھنا ہے
مجھے لے چلو مجھ کو گھر دیکھنا ہے

مرے دل کو دل کی نگاہوں سے دیکھے
محبت کا جس کو اثر دیکھنا ہے

جھجکتی نگاہیں اٹھی جا رہی ہیں
نہیں دیکھ سکتیں، مگر دیکھنا ہے

جہاں قتل ہوتے ہیں دیوانے سارے
مجھے بھی وہی بام و در دیکھنا ہے

چلے پھاڑ کر ہم بھی سینے کا پردہ
کہا جب انھوں نے جگر دیکھنا ہے

اِدھر اٹھ کے پردہ گرا بھی مگر اُف ـــــ!
میں اب دیکھتا ہوں کدھر دیکھنا ہے

وہ آئیں کہ جائیں، یہ مرضی ہے ان کی
مجھے تو سوئے رہگذر دیکھنا ہے

تری اک نگاہِ تمنا کے پڑتے
تماشائے رقصِ جگر دیکھنا ہے

وہ دیکھیں کہ میں کس طرف دیکھتا ہوں
میں دیکھوں انھیں کس قدر دیکھنا ہے

میں دیکھوں انھیں ٹکٹکی باندھے ہر دم
یہ کہہ کر کہ بس اک نظر دیکھنا ہے

جھجک کر اُچکتی نگاہوں کو دیکھو
مزاجِ محبت اگر دیکھنا ہے

میں جنت سے کودا ہوں دوزخ میں آ کر
مجھے کوچۂ کاشمر دیکھنا ہے

ترے گلستاں سے گذر گئے
خوئے بلبلاں سے گذر گئے
بڑے خوش ہیں تیری حیا سے ہم
چلو امتحاں سے گذر گئے
میں ہوں مدتوں سے خیال میں
کہ یہ دن کہاں سے گذر گئے
جو وہ رہ ملی تو پتہ چلا
کہ ابھی یہاں سے گذر گئے
جو نجوم تیرے گماں میں ہیں
مرے آسماں سے گذر گئے

جو ترے چمن کے حریف ہیں
مرے آشیاں سے گذر گئے
مگر اک نگاہِ ادا سے وہ
دلِ عاشقاں سے گذر گئے
تری منزلیں ہیں جہاں تلک
یہ قدم وہاں سے گذر گئے
کوئی حادثوں میں ہی گھِر گیا
کوئی تازیاں سے گذر گئے
بخوشی چلو کہ خطر سبھی
مرے کارواں سے گذر گئے
میں ابھی پڑا ہوں مگر سبھی
درِ آستاں سے گذر گئے
ترے ساتھ تیرے خیال بھی
دلِ خونچکاں سے گذر گئے
یہ عجب ہے ہم پسِ ایک ورق
تری داستاں سے گذر گئے
جو نہ لکھ سکے تو یہ جان لو
کہ تری زباں سے گذر گیے

مسلسل۔ نعتیہ اشعار

جو ترے پسینے کی بو ملی
گلِ ارغواں سے گذر گئے
ترے خادموں کے غلام بھی
دمِ ارسلاں سے گذر گئے
ترے در پہ جن کا ٹھکانہ ہو
درِ بے کساں سے گذر گئے
تری اک نگاہ سے بس، عمرؓ
انوشیرواں سے گذر گئے

جگ سے میری آشنائی بھی گئی
دل کسی سے آشنا کرتے ہوئے

صبر ہم سے اب نہیں ہوگا کبھی
تھک گئے ہم اے خدا کرتے ہوئے

آئینہ ہنستے ہوئے کھسکا دیا
رُخ بروئے آئینہ کرتے ہوئے

نیند میری بھی گئی اُس رات کی
انتظار اک خواب کا کرتے ہوئے

کہہ دئے سب راز ہم نے غیر کو
آشنائے آشنا کرتے ہوئے

اس قدر با ذوق ہیں وہ کیا کہیں
ہنس دیۓ عہدِ وفا کرتے ہوۓ

لوُٹ کا الزام ہم پہ لگ گیا
اپنے دل سے رابطہ کرتے ہوۓ

سادگی بھی ہم فقیروں کی عجب!
پوج اٹھے بت کو خدا کرتے ہوۓ

مسکرایا سر میں سودا دیکھ کر
وہ طبیبِ دل دوا کرتے ہوۓ

اک سکوتِ شامِ صحرا اور میں
اک صدا پھر اک صدا کرتے ہوۓ

ذکرِ الفت کی کتابوں میں کبھی
غم لکھے ہیں حاشیہ کرتے ہوۓ

پی گیا دنیا کی ساری مے کو میں
ختمِ دنیا یہ وبا کرتے ہوۓ

پھنس گیا صیّاد خود ہی جال میں
مرغِ گلشن کو رہا کرتے ہوئے

ایک لقمے کیلئے مفلس پر
مر گیا رہ میں بُکا کرتے ہوئے

کاش یہ اغیار کو بھی علم ہو
ہنس دیئے ہم، جاں فدا کرتے ہوئے

جاں کنی میں، غم جہاں کا دل میں ہے
اک مربی ہے دعا کرتے ہوئے

مصیبت آ پڑی ہے سر کو دھنئے
محبت ہو گئی ہے سر کو دھنئے

محبت کو دوا سمجھا تھا ہم نے
حقیقت اب کھلی ہے سر کو دھنئے

نقاب اُس نے اٹھایا تو لگا یوں
کہیں بجلی گری ہے سر کو دھنئے

سرھانا اس کے بوسے لے رہا ہے
مقدر کا دھنی ہے سر کو دھنئے

چمکتے رخ پہ ابرِ غم جو چھائے
تو قدرت رو پڑی ہے سر کو دھنئے

مرے گھر میں غموں کی، الجھنوں کی
حسیں محفل سجی ہے سر کو دھنئے

پسِ فرقت مجھے یارو عجب ہے
نئی دنیا ملی ہے سر کو دھنئے

سخن دانو! یہ حامؔی کے قلم سے
غزل میں نے لکھی ہے سر کو دھنئے

تری اس بے نیازی سے پریشاں دل نہ ہو جائے
تری اس راہ پر چلنا مجھے مشکل نہ ہو جائے

کبھی تو آ، کبھی تو مل، کبھی تو دے مجھے موقع
تری مجھ تک رسائی میں کوئی حائل نہ ہو جائے

کبھی اپنے خیالوں میں تجھے اکثر جو پایا تھا
انھی پیچیدہ راہوں میں میری منزل نہ ہو جائے

مری آزاد سوچوں سے یہ دنیا ناشناسا ہے
کہیں اپنے ارادوں سے یہ دل غافل نہ ہو جائے

اسی ڈر سے ترے نشتر چھپا رکھے ہیں اس دل میں
کہیں محشر میں تو ثابت مرا قاتل نہ ہو جائے

ابھی تو ہے تجھے اپنے فلک پر جانے کا موقع
کہ جلدی کر تری رگ میں، عدو شامل نہ ہو جائے

تو جن کے در پہ آیا ہے یہاں سے پھر نہیں ہٹنا
وگرنہ غیر کے در کا، کبھی سائل نہ ہو جائے

نہ تو یوں دیکھ ان تابندہ تاروں کو ارے حامؔی
تری قسمت سے ان کی بندیہ جھلمل نہ ہو جائے

ترا ذکر جب کوئی محفل میں آئے
سمٹ کر محبت مرے دل میں آئے

تو گوشہ نشیں ہے پہ ہر گوشے میں ہے
کبھی لامکاں میں، کبھی دل میں آئے

ذرا پاؤں اپنے شکستہ تو کر لے
ذرا سا تو لطف اپنی منزل میں آئے

وہ طوفاں ہی کیا جو سمندر میں بھٹکے
ذرا زور کر تیرے ساحل میں آئے

وہ خنجر، وہ نشتر، وہ تیغِ ستم گر
ہے مرغوب جو دستِ قاتل میں آئے

میں جنگِ محبت میں کھویا ہوں سب کچھ
کسی میں ہو یارا مقابل میں آئے

خزانوں سے بڑھ کر مکرّم وہی ہے
جو مشتِ غذا دستِ سائل میں آئے

ستم بھی ہو بالائے غم تو حرج کیا
مجھے وہ پسند ہے جو مشکل میں آئے

جو ضربِ صفر دے تو انعامِ رب کو
تو پھر کیا ہے جو تیرے حاصل میں آئے

تو جن سے نکھرتا ہے اب بھی جہاں میں
خوشی ہے کہ ہم اُن عوامل میں آئے

اک تم، کہ ڈھونڈتے ہو ابر کرم کے سائے
اک ہم، کہ دھوپ میں بھی ہر لحظہ مسکرائے

اس قتل گہہ میں کوئی، جور و ستم نہیں ہے
جس کو عزیز جاں ہو، اس سے کہو کہ جائے

الفت کے کھیل کے بھی کچھ قاعدے الگ ہیں
اس کھیل کا ہے فاتح، جلدی جو مات کھائے

اس راہ میں سنبھلنا، کچھ کام کا نہیں ہے
اس راہ کا سکندر وہ ہے جو ڈگمگائے

جو قید ہیں قفس میں وہ در کو توڑ بھاگیں
جب آشیاں قفس ہو کوئی کدھر کو جائے

تم کو دکھا دوں اپنی جمہوریت کا نقشہ؟
وہ شغل ہے، کہ بندریاں شیر کو نچائے

کس بات کا گلہ ہے اب حاکمِ زماں سے
اس کے اگر ہو بس میں، یہ ماں کو بیچ کھائے

اک رہ گذر پہ بیٹھے، میں سن رہا ہوں کب سے
یہ مے کشی میں دھت ہے، کون اس کو منہ لگائے

اب رخ پلٹ کے بیٹھو حامیؔ جہاں بھی بیٹھو
سب پر کٹا کے بیٹھے، یاں جو بھی پھڑ پھڑائے

منظومات

بزمِ شعراء

رات محفل شاعروں کی جو سجی دربار میں
چاند تاروں نے بچھائی آنکھ تھی دیدار میں
ڈرتے ڈرتے میں چلا جو جانبِ محفل مگر
ایسے جیسے لاڈلا کوئی چلے اغیار میں
میں گیا تو دیکھتا ہوں شاعراں بسیار اند
ایک سے بڑھ کر نیا تھا تیز تر گفتار میں
ان کی آوازوں نے وہ ہنگامہ برپا تھا کیا
ناؤ جیسے پھنس گئی ہو سیل کے منجدھار میں
کوئی چیخے کوئی چلّائے کوئی آواز دے
کوئی محوِ گفتگو کوئی مگن اشعار میں
میں وہاں سنتا ہوں جو تم کو بھی سنواتا چلوں
آگ اپنے سینے کی میں یونہی بجھواتا چلوں
شاعرِ اوّل قصیدوں میں بڑے باذوق تھے
نکتہ چینی کے انھیں دنیا کی شاہی شوق تھے

پہلا شاعر

چار سو ہے دشمنی کی وہ گھٹا چھائی ہوئی
بابل و بغداد کی حیراں ہوئی تاریخ بھی
عدل و انساں دوستی کا بھی جنازہ چل پڑا
مٹ گئی ہے دو جہاں سے امن کی وہ چاشنی
حاکمِ ہندی ہے اقلیّت کے جیسے تاک میں
بے ثمر بے آسرا ہے مفلسوں کی زندگی
'یہ کہا این سی نے پی ڈی پی نے کچھ ایسا کہا'
کانگریس کے ترجماں نے بھی یہی آواز دی
'فی کلو چاول ہے کافی ایک کنبے کے لیے'
فوڈ سیکورٹی ایکٹ پہ شاعر نے اپنی رائے دی
مسئلہ کشمیر پر وہ اسطرح گویا ہوئے
گر میسّر ہو تو آزادی وگرنہ قید ہی
اور بھی کافی کہے تھے شاعرِ اوّل نے شعر
ساری باتیں نقش ہوتی ہیں کہاں سے ذہن پر
دوسرے صاحب جو غزلوں میں بڑے استاد تھے
میرؔ و غالبؔ کے ہزاروں شعر ان کو یاد تھے

دوسرا شاعر

جانکنی کا میری تجھ کو اب کہاں احساس ہے
پھر بھی میں یونہی سمجھتا ہوں تو میرے پاس ہے
ایک چشم آرزو مجھ پر کبھی کرتا تو چل
تیری آنکھوں کی کدورت بھی مجھے تو راس ہے
تیرے قدموں کی کرامت سے لبالب ظرف ہیں
پر تری ناراضگی سے میرے گھر افلاس ہے
تو مرا ہمدم ہو تو یہ زندگی الطاف ہو
تو نہیں تو زندگی کا ہر مزہ بکواس ہے
عشق نے تیرے کئی انداز بھی اپنا لئے
رومیو ہے قیس ہے رانجھا ہے دیوداس ہے
آخری دم ہے خبر گیری تو کر اے سنگ دل
شاعرِ دوئم ترا بیٹھا لگائے آس ہے
دوسرے شاعر کی یہ بکواس سن لی دوستو
تیسرے شاعر کے احوال پریشاں اب سنو
تیسرے صاحب ظرافت میں بڑے مشہور تھے
خانہ داری کے تئیں وہ اسطرح گویا ہوئے

تیسرا شاعر

داستان خانہ داری میں یہی اکثر ہوا
شوہرِ بے آسرا یونہی سخن گستر ہوا
سوچتا ہوں میں کبھی ناگن کے تیور دیکھ کر
کیوں نہ بھالو ہی مرے اسفار کا ہمسر ہوا
اِس بلا سے شادی کر کے میرے پیارے دوستو
الّو کا پٹھّا نہیں الّو کا ٹوٹا پر ہوا
نان باسی کے ملے، زلفوں سے پُر ھتا شوربا
چائے کے قہوے سے بھیگا ٹاٹ ہی بستر ہوا
میرے کپڑوں کے بجائے بیوی دھوتی ہے مجھے
آئے دن ہی میرے گھر ہنگامۂ محشر ہوا
مار پڑتی ہے کبھی بیلن سے تو میں کیا کہوں
واصل دوزخ ہوا، دوزخ ہی میرا گھر ہوا
مجھ کو دوزخ کی بلاؤں سے حفاظت مل گئی
شامت اعمال سے جو میں ترا شوہر ہوا
تیسرے شاعر کے اقوال گہر بھی ہو گئے
کیا کہوں محفل میں آدھے آدمی تو سو گئے

ایک شاعر خشک تھے اب وہ اٹھے اس شان سے
وہ اٹھے تھے انقلاب شاعری عنوان سے

چوتھا شاعر

شاعری میں آج کی بے بحر و بے وزنی ہے فن
آج کے شاعر کہاں جانیں گے یہ باریک پن
شاعری مقصود سے خالی ہے بے وزن و خیال
قافیے چنداں ہیں مستعمل مگر بے فکر و فن
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن
حال کی میری غزل میں بحر ہے یہ موجزن
کیا کہیں جو شاعری کی روح تھا اب وہ ہنر
ہو گیا اُس کا سڑے لفظوں کے ملبے سے ملن
اور اگر کچھ شاعروں میں وہ ہنر باقی بھی ہے
وہ پڑے ہیں یاس کی دنیا میں بے گور و کفن
شاعری انسانیت کی منفرد تمثیل ہے
تو اگر انساں نہیں بنتا نہ بن شاعر تو بن
انقلاب شاعری کو میں بھلا اب کیا کہوں
یہ تو وہ غمزہ ہے تن میرا رہائے ہی یہ من

دوستو میں کیا کہوں کچھ اور بھی شاعر اٹھے
اپنے اپنے طرز کے اشعار انھوں نے بھی کہے
اب مری باری تھی میں بھی کچھ بیاں کرتا چلوں
اپنے قدموں کو شریک کارواں کرتا چلوں
میں

شاعروں کی بزم میں میری بھلا اوقات کیا
خیر میں کہتا چلوں میں نے وہاں پر کیا کہا
شاعرو تم اب بھی الجھے ہو نجی گفتار میں
آشیاں سے دوڑ کے باہر جہاں کو دو صدا
اب مساکین جہاں کو خوف کی حاجت نہیں
بزم عالم میں انہی کا دور اب ہے آگیا
گر کوئی شاہیں کبوتر پر کبھی حملہ کرے
کر دو عالم میں بپا ہنگامۂ روز جزاء
گر کوئی انسانیت کی خرقہ پامالی کرے
اس کے ہاتھوں کو پکڑ کے کاٹ دو اُس کو تھما
اور اگر کوئی شہید انس و الفت دیکھ لو
اس کے دامن کو پکڑ لو تھام لو اس کو سدا

چھوڑ کے فرسودہ باتوں کو نیا پیغام دو
ساری دنیا کے بنی انساں کو تم اسلام دو
دوستو انجام یوں محفل ہوئی اشعار کی
میں سنا تا بھی چلوں یہ بات اپنے یار کی
شاعراں بسیار گفتہ شعر ہائے پر مزہ
کس نگفتہ شعر ہمچوں حاء الف، با میم و یا

جھوٹ بولا کر

زمانے بھر کی تلخی کو سمیٹے سچ اُگل کر کیوں
بہت شیریں ہے یہ جاناں، ہمیشہ جھوٹ بولا کر

سنا ہے سچ کی بالآخر ہمیشہ جیت ہوتی ہے
مگر اب سچ بھی کتراۓ، تو اتنا جھوٹ بولا کر

زمانے کی ڈگر کو دیکھ کر سچ بولے جاتے ہیں
زمانہ دیکھتا رہ جاۓ، ایسا جھوٹ بولا کر

بہت دل ٹوٹ پڑتے ہیں تری اس راست گوئی سے
مری تجھ سے گذارش ہے، خدارا جھوٹ بولا کر

تجھے جب جان کر جھوٹا چھڑا لیں گے سبھی دامن
کسی دشت و بیاباں میں تو تنہا جھوٹ بولا کر

اگر سچّے سبھی بیٹھے ہوں مجلس میں تو مت گھبرا
تو سینہ تان کر اپنا، اکیلا جھوٹ بولا کر

جو اک مرشد سے پوچھا سچ اگر کہنا ضروری ہو
تو بولے گر ضروری ہو تو سچا جھوٹ بولا کر

شکایت کی جو حامی سے، برا ہے جھوٹ، تو بولا
برا ہے جھوٹ گر اتنا، تو اچھا جھوٹ بولا کر

ڈوبتی آنکھیں

اس دھوپ کی گرمی میں جھلسی ہوئی آنکھوں کو
اک سایۂ راحت کی پر زور تمنّا تھی
جلتی ہوئی آنکھوں میں کتنے ہی زمانے تھے
کتنی ہی بہاریں گم، کتنے ہی خزاں مضمر
کتنے ہی حسیں منظر، کتنے ہی جواں سپنے
سورج کی شعاؤں سے جلتے ہوئے کتنے دن
جاگی ہوئی راتوں کی وحشت سے بھری یادیں
منحوس سی آہٹ تھی کچھ آہنی بوٹوں کی
معصوم سی چیخیں تھیں، اشکوں کے سمندر تھے
مجبور و تہی دامن انسان کی بستی تھی

انساں کا ہی خنجر تھا، انساں کا ہی سینہ بھی
پھٹتی ہوئی آنکھوں میں خونین سا نقشہ تھا
مقتول وفائیں تھیں، رقصاں تھیں جفائیں بھی
نا کردہ گناہوں کی کتنی ہی سزائیں تھیں
اک ٹھنڈی ہوا آتی خوشیوں کی بہاروں سے
خوشیوں کے نظارے ان آنکھوں میں بسا لیتی
امید کی ڈوری بھی کچھ خام سی ہوتی ہے
ان ڈوبتی آنکھوں کی حسرت ہی رہی باقی!

کتابوں سے محبت ہے!

غلاف ان پر چڑھایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
نگاہوں سے ہٹایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
کتابیں ہی جہاں کا فلسفہ سمجھا دیا کرتیں
ترے پلّے نہ آیا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
کتُب چھوڑیں، قلم چھوڑا، لیا ہے ذوقِ تن آساں
ہنر کو بیچ کھایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
ترا ذوقِ کتُب بینی رہا دب کے تعیّش سے
یہ لاعلمی کا سایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
سبق آموز باتوں کا جہاں ملتا کتابوں میں
مگر تو نے نہ پایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
کتابوں کو پسِ اِدراک ڈالا کیوں جوانوں نے؟
ستم اتنا ہے ڈھایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
جہاں میں علم کی شمعیں فروزاں کی ہیں لوگوں نے
یہ ذوق ان میں سمایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!
کوئی سمجھے نہ سمجھے پر مجھے کیا غم ہے اے حامیؔ!
یہ دردِ دل سنایا کیوں؟ کتابوں سے محبت ہے!

ہلالِ عید

ہلالِ عید پھر نکلا نئی روشن قبا لے کر
شبِ تاریک میں ہلکی سی امیدِ ضیا لے کر

ذرا دیکھیں کہ کیا رنگ چڑھتا ہے بہاروں پر
چمن میں پھول کس رنگت کے کھلتے ہیں حنا لے کر

چمن میں کون سے نغمے یہ بلبل اب سناتے ہیں
مہک کس لطف کی آتی ہے اب بادِ صبا لے کر

یہ جھرنے کیا سرود اب کے بجاتے ہیں ذرا سن لیں
فضا میں خوش مزاجی کیسی آتی ہے ہوا لے کر

ستارے کس قدر روشن ہوئے جاتے ہیں گردوں میں
حسیں کتنا لگے گا آسماں نیلی قبا لے کر

چمکتے کون سے فانوس ہیں اب بامِ عالی پر
نشیمن پر برستی ہے گھٹا آنچل میں کیا لے کر

خمار اب اہلِ محفل پر چڑھے گا کس کے جلوے کا
مرے ساغر میں آتا ہے مرا ساقی بھی کیا لے کر

مزاجِ عاشقی میں کیا نئے جذبے ابھرتے ہیں
مریضانِ محبت ٹھیک ہوں گے کیا دوا لے کر

ذرا دیکھیں کہ آخر عید کیا امید لاتی ہے
تمنا لے کے در پہ آئے ہیں دستِ دعا لے کر

اگر تقدیرِ امّت اب بہارِ نو دکھاتی ہے
تو پھر ہم عید کی خوشیاں منائیں گے مزا لے کر

یہ صبحِ عید بھی تم کو مبارک صد مبارک ہو
نئی امید بھی تم کو مبارک صد مبارک ہو

لوہا اور ملّت

وہ جب زیرِ زمیں پگھلا ہو رہتا ہے گرمی سے
عجب تاثیر ہوتی ہے جو مس کر لے وہ جل جائے

جو اوپر کی تہوں میں آ کے ٹھنڈک ملتی جاتی ہے
یہ مایہ دار لوہا سخت آہن میں بدل جائے

کئی مشکل مراحل سے گذرنے پر یہی آہن
کئی انواع کے آلات میں آخر کو ڈھل جائے

انھی آلات سے اچھے برے سب کام ہوتے ہیں
غمِ دوراں میں اکثر موجب آرام ہوتے ہیں

سبھی زرعی مقاصد میں اسی لوہے کی وقعت ہے
ہر اک تعمیر کے سب کام بھی انجام ہوتے ہیں

ہر اک موسم میں اس کی بے بہا خدمات رہتی ہیں
اسی سے فکر انساں کے مسائل رام ہوتے ہیں

یہی شمشیر بن کے وقت کے ظالم سے لڑتا ہے
یہی زنجیر بن کے مجرموں کو بھی جکڑتا ہے

شجر کاری اگر کرنی ہو تو لوہے کی ضرورت ہے
اگر لکڑی کٹے پھر بھی اسی سے کام پڑتا ہے

یہ لوہا جُز بنا رہتا ہے انسانی لہو میں بھی
اسی سے پل بناتے ہیں یہی سڑکوں میں جڑتا ہے

مگر ماحول کے باعث اسے جب زنگ لگتا ہے
تو پھر اک بار کو بھٹّی کی آتش میں سلگتا ہے

یہ ملّت کھو چکی ہے مصرفِ کار آفرینی اب
اسے بھٹّی میں رہنے دو کہ یاد آئے اسے منصب

ابیاتِ چند در مدحِ شیخ الاسلام

(جسٹس و مفتی و مولائی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالیہ)

مرا دل بھر کے آیا اس زمانِ سخت قلبی میں
کہ جب منظر شہنشاہِ علومِ دین کا دیکھا

وہ زیبِ منبر و محراب کیسے راہ چلتا ہے
وہ اس کا کھانا پینا اور اس کا بیٹھنا اٹھنا

وہ کیا ہی سادگی جس پر تکلف مر مٹے ہر دم
عجب سی عاجزی، جس سے ڈرے ہے شوکتِ کسریٰ

سراپا عدل کا پیکر، سراپا علم کا محور
سراپا حسن کا گوہر، سراپا حلم کا دریا

عجب دنیا کا دانشور، عجب دنیا کا بازی گر
عجب اُس شخص کا رتبہ، عجب اُس شخص کا تقویٰ

تبسّم آفریں وہ ہے، تکلّم آفریں وہ ہے
ترنّم آفریں وہ ہے، وہ اپنے آپ میں یکتا

عجب ہے ضوفشاں تارا مگر روشن ہے چپکے سے
عیاں ہو جائے دنیا پر تو ہو جائے گا واویلا

میں اُس کے وصف سب لکھتا مگر یارا نہیں مجھ کو
کہ میرے ہر تخیّل سے فزوں اک اک ہے وصف اُس کا

بس اتنی سی دعا حامیؔ خدا سے کر دمِ آخر
''خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را''

وہ دبی دبی سی محبتیں

وہ دبی دبی سی محبتیں
وہ ڈھکی چھپی سی عداوتیں
وہ عجب عجب سی شکایتیں
وہ طرح طرح کی عنایتیں

وہ محبتوں کے نصاب ہیں
وہ مروتوں کے حساب ہیں
وہ خموشیوں کے جواب ہیں
وہ سنورتے سینکڑوں خواب ہیں

وہ حسین آنکھیں شراب ہیں
وہ گلابی لب کہ گلاب ہیں
وہ نگاہیں عشق ماب ہیں
وہ ادائیں ہیں کہ عذاب ہیں

وہ خموش دل جو اداس ہے
وہ تڑپتے لب پہ جو پیاس ہے
وہ سلگتی نظروں میں آس ہے
وہ گماں وہ ظن وہ قیاس ہے

وہ کسی کی تشنہ لبی کہ اُف
وہ تڑپ وہ دل کی لگی کہ اُف
وہ خموشیوں کی گھڑی کہ اُف
وہ پلک سے گرتی لڑی کہ اُف

یہ تو الفتوں کا مزاج ہے
یہ مروتوں کا رواج ہے
یہ تڑپتے دل کا علاج ہے
یہ نزاکتوں کا خراج ہے

دریا بہتا رہتا ہے

دن میں ٹھنڈی راتوں میں
ساون کی برساتوں میں
پت جھڑ کی سوغاتوں میں
دریا بہتا رہتا ہے

کھیتوں میں کھلیانوں میں
کہساروں میدانوں میں
پھیلے ریگستانوں میں
دریا بہتا رہتا ہے

دن میں سورج تاباں ہو
شب کو چندا عریاں ہو
جوتی جگ میں رقصاں ہو
دریا بہتا رہتا ہے

لہروں میں طغیانی ہو
اک آندھی طوفانی ہو
یا پھر ساکت پانی ہو
دریا بہتا رہتا ہے

ساحل ترسیں ملنے کو
اپنی جا سے ہلنے کو
پھٹتا دامن سلنے کو
دریا بہتا رہتا ہے

کھیتوں میں ہریالی ہو
شہروں میں خوشحالی ہو
ہر سکّہ ٹکسالی ہو
دریا بہتا رہتا ہے

کلیاں بھی مسکاتی ہیں
گلشن کو مہکاتی ہیں
کِھل کے مرجھا جاتی ہیں
دریا بہتا رہتا ہے

جلوے ہوتے رہتے ہیں
عاشق کھوتے رہتے ہیں
غافل سوتے رہتے ہیں
دریا بہتا رہتا ہے

ندیاں خوں کی بہتی ہیں
قومیں آتش سہتی ہیں
سہمی سہمی رہتی ہیں
دریا بہتا رہتا ہے

سینے چِرتے رہتے ہیں
رستے پھرتے رہتے ہیں
پتھر گرتے رہتے ہیں
دریا بہتا رہتا ہے

پگڑی اچھلی جاتی ہے
عزت پٹتی جاتی ہے
عصمت لٹتی جاتی ہے
دریا بہتا رہتا ہے

آدم جھتے رہتے ہیں
مقتل سجتے رہیں
طبلے بجتے رہتے ہیں
دریا بہتا رہتا ہے

گلشن روئے مالی کو
بلبل گل کی ڈالی کو
غربت روئے ھتالی کو
دریا بہتا رہتا ہے

اس لمحہ بے ہوشی ہے
اُس پل میں سرگوشی ہے
پھر آخر خاموشی ہے
دریا بہتا رہتا ہے

روؤ گے، مسکاؤ گے
بولو گے، شرماؤ گے
پھر حامیؔ مر جاؤ گے
دریا بہتا رہتا ہے

جنابِ حامیؔ سے گفتگو

بڑے دنوں سے میں جنابِ حامیؔ سے ملا نہیں
مگر میں ان کی محفلوں سے آج بھی جدا نہیں

اگر کہیں پہ بیٹھ کر ہم ان سے روبرو ہوئے
عجیب لطف سے ہمیشہ محوِ گفتگو ہوئے

انھیں کی ایک گفتگو کا حال میں بیاں کروں
یہ سوچتا ہوں ابتدا کہاں سے داستاں کروں

ہے ایک صبحِ نوبہار ابھی ابھی دھلی ہوئی
چہار سو ہے روشنی ابھی ابھی ڈھلی ہوئی

ہم ایک باغ میں کسی شجر تلے ہیں خیمہ زن
مہک ہے بادِ صبح میں، دمک رہے ہیں گل بدن

محبتوں کا دور چل رہا ہے بزمِ ناز میں
عجیب سا طلسم ہے، فسوں ہے، سوز و ساز میں

طویل گفتگو چلی ہے آج بھی ''حیات'' پر
کسی کا زور کشمکش پہ کچھ کا التفات پر

سبھی، کہا، سنا، کئے، تو بول اٹھے جناب جی!
جناب جی، ارے وہی، جنابِ لاجواب جی!

وہ کیا حسین طرز تھا، وہ کیا حسیں بیان تھا
وہ کیا ادا تھی شوق کی، وہ کیا ہی نغمہ خوان تھا

وہ کیا رواں زبان تھی، وہ معنی آفریں بیاں
وہ لفظ لفظ کہکشاں، وہ حرف حرف داستاں

کہا کہ ''ہر نئی سحر بنی رہے''
یہی ہے رازِ زندگی اگر بنی ٹھنی رہے

خامۂ روشن

بہت شدت سے جب لہریں غموں کی آ جکڑتی ہیں
بہت باریک ہاتھوں سے قلم ہاتھوں میں لیتا ہوں
سبھی اعصاب کو پھر ایک جانب موڑ کر حامیؔ
کئی اشعار لکھ لیتا ہوں میں کورے سے کاغذ پر
کہ جن میں کائیناتِ قلب کی ساری کہانی ہو
بہت احسان ہے مجھ پر ترا اے خامۂ روشن

کہہ دو

چلو کچھ اس طرح سے بات کا آغاز کرتے ہیں
کہ محفل میں کسی کو آشنائے راز کرتے ہیں

ہمارا ذوق ہے مرجھا گئے پھولوں کی سینچائی
ہم اپنی خوبیِ فطرت پہ اکثر ناز کرتے ہیں

جوانِ ملتِ بیضا کو ان لوگوں کی حاجت ہے
جو اپنی رہبری سے زاغ کو شہباز کرتے ہیں

یہاں اہل سخن بھی، طالبانِ علم بھی، سب ہیں
ارے حامیؔ چلو محفل کو بھی ہمراز کرتے ہیں!

کبھی سوچا کہ تقلیدِ روایت چھوڑ کر ہم بھی؟
چلو اپنے تفکّر کو روایت ساز کرتے ہیں!

تبسم آفریں سوچوں میں کھویا تھا گماں میرا
بڑا ہی خوب صورت تھا مکان و لامکاں میرا

اچانک دل کے ہالے میں خلا محسوس ہوتی ہے
کہ جس میں تیرگی کے ساتھ ہی چھوٹی سی جَوتی ہے

کوئی شے ہے یا کوئی آدمی، جوارِ جَوت میں بیٹھا
یہ میں کیا دیکھتا ہوں، شخص ہے یا کوئی موتی ہے

ٹٹولے پر ملا اک مردِ رَفتہ خوابِ مستی میں
جگایا، دیکھتا ہوں آنکھ اس کی خوب روتی ہے

جو اس کا حال پوچھا تو لگا کہنے کہ اے بچے
وہ ملت پھول کیا پائے فقط جو خار بوتی ہے

سناتا ہوں تمھیں بھی، تاکہ ناخن ہوش کے تم لو
پھر اس کی گفتگو، موتی کی جولڑیاں پروتی ہے

پریشاں اس کی آنکھیں تھیں فقط محسوس کر پاتا
میں خود حیراں تھا، اس کا دامنِ دل کیا ہی بھر پاتا

ذرا مردِ قدیم اتنا بتاؤ کیا ہے افسانہ
سبب جس کے بنا ڈالا ہے تم نے خود کو دیوانہ

لگا کہنے کہ میں تیرا ہی جدِّ عہدِ رفتہ ہوں
تری لاعلمی نے جس کو بنا ڈالا ہے انجانہ

میں وہ ہوں جو زمانے میں تمدّن کا نمونہ تھا
سکھائے میں نے ہی دنیا کو اندازِ ملوکانہ

میں اپنے دور کا عالم بھی تھا، شاعر بھی، زاہد بھی
مری شاہی میں پنہاں تھے رموزاتِ فقیرانہ

مرے آٹھوں پہر تحقیقِ عالم میں گذرتے تھے
شرابِ ذوقِ خدمت سے بھرا تھا میرا پیمانہ

ذرا سا رک کے اس نے سانس کو بھرنے کی کوشش کی
وہ پھر گویا ہوا اور میں نے جی بھرنے کی کوشش کی

جہاں میں علم و فن کی شمع کو روشن کیا میں نے
نقوش لوحِ ہستی کو سرے سے رنگ دیا میں نے

اُمم کے دامنِ تقدیر کا اک بخیہ گر میں تھا
پھٹا انسانیت کا خرقۂ داماں سیا میں نے

محبت، معرفت، شاہی، فقیری، فلسفہ، الغرض
سبھی اوصافِ انساں کو بہت بہتر جیا میں نے

میں تاجر بھی تھا، حاکم بھی تھا، قاضی بھی رعایا بھی
جلایا جذبِ باہم کا ہر اک رہ میں دیا میں نے

سبق انصاف کا، غیرت کا، الفت کا، پڑھاتا تھا
خدا کی نعمتوں سے کام لاکھوں کا لیا میں نے

امام اپنے زمانے کا مجھے قدرت نے منوایا
قیادت کا زمانے کی مجھی سے کام کروایا

کہ پھر میری جگہ اولاد میری کام پر آئی
ذرا چھٹتے ہی اس نے اپنی ساری قوم لٹوائی

مذاقِ عاشقی چھوڑا مزاجِ دل بری چھوڑا
وراثت اپنے آبا کی بہت سستے میں بکوائی

تن آسانی رگوں میں اور دل میں شہوتیں بھر لیں
امم کی ڈور کس قیمت پہ اس نے جا کے کٹوائی

سبھی اوصاف جو میرے تھے اس نے چن کے سب چھوڑے
اسی رفتار پر گھیر آیا اس کو طوقِ رسوائی

لگے اغیار کاموں پر، ترقّی کر گئے اپنی
اور اس کی قوم ذلت میں، ابھی تک جا کے سستائی

مرے بچے، تجھے ساری کہانی اس لئے بولی
کہ تیرے مرضِ پارینہ کو شاید یہ لگے گولی

ترے آبا کو محنت نے امامت دی جہانوں میں
نوازا ان کو قدرت نے زمینوں آسمانوں میں

مگر جو کاہلی برتی، ذلیل و خوار ہو بیٹھے
کہ ان کی داستاں تک بھی نہیں ہے داستانوں میں

ترے اغیار ہیں دیکھو لگے دن رات محنت میں
چمکتے جا رہے ہیں جوں ستارے آسمانوں میں

اگر ماضی کو اپنے یاد کر کے سیکھ لے لے گا
وہی بیداری پھر آ جائے گی تیرے جوانوں میں

جواں تیرے چلیں گے انقلابی راہ پر جس دم
خدا کی رحمتیں ہوں گی تمھارے آشیانوں میں

خدارا بے حسی چھوڑو زمانہ یاد کرتا ہے
یہ مردِ عہدِ رفتہ آپ سے فریاد کرتا ہے

عید مبارک

ہے خوشی کی یہ جو بھرمار، تجھے عید مبارک
چلو اس بار پھر اک بار تجھے عید مبارک

یہ جو پردہ سا گرا ہے کوئی قیمت نہیں رکھتا
میں ہوں اس پار تو اس پار تجھے عید مبارک

مرے خامے کو یہ جنبش بھی ہوئی بس اسی خاطر
مجھے کہنا تھا یہی یار تجھے عید مبارک

مرے محبوب تجھے خوب مبارک رہے یہ دن
ترے ہر دن میں کئی بار تجھے عید مبارک

ترے دامن میں بہاروں کی بہاریں رہیں ہر دم
تری خوشیوں کا ہو انبار تجھے عید مبارک

تری آنکھیں بھی مسرت سے چمکتی رہیں ہر دم
ترے دل پر نہ رہے بار تجھے عید مبارک

وہ جو قربان ہوا تیری وفا میں تو یہ بولا
میں تو آیا ہوں سرِ دار تجھے عید مبارک

ترے ماتھے کی یہ نورانی چمک بھی رہے تاباں
تری زلفیں بھی لچک دار تجھے عید مبارک

ترے ہونٹوں کی یہ سرخی بھی مبارک رہے ہر دم
ترے کھلتے رہیں رخسار تجھے عید مبارک

ترے دانتوں کے یہ موتی بھی چمکتے ہی رہیں بس
تری آنکھیں بھی چمکدار تجھے عید مبارک

مرے سینے میں یہ دل ہی تو بچا تھا مرے دلبر
یہ بھی تجھ پر ہی گئے وار تجھے عید مبارک

تجھے دنیا کے تحائف سے نہ آزار ہی پہونچے
تری خدمت میں ہیں اشعار تجھے عید مبارک

اسلاف

انہی کے دم سے کلمہ گو ہے میرا آج کا مسلم
جو بام و دار پہ لٹکے مگر ایماں نہیں چھوڑا

وہ زیر سایۂ شمشیر بھی کلمہ ہی پڑھتے تھے
انہوں نے عالم شاہی میں بھی قرآں نہیں چھوڑا

خدا کی رحمتیں ملبوس کرتی تھیں انہیں آ کر
فرشتوں نے مجالس میں بھی یہ عنواں نہیں چھوڑا

نبیؐ تکلیف میں تھے تو سپر بن کر ڈٹے رہتے
کسی بھی حال میں ان کو کبھی عریاں نہیں چھوڑا

متاعِ کافراں ان کو کبھی مرعوب کیا کرتی
اسیرِ ظالماں ہو کے بھی عشقِ آں نہیں چھوڑا

نجی حالات میں مثلِ حریر و ریشمی ہوتے
ستیزے کے تناظر میں کوئی طوفاں نہیں چھوڑا

غصیلے شیر کی مانند جو صحراء سے وہ نکلے
کوئی روما، یا ترکستاں کوئی ایراں نہیں چھوڑا

ہوا جن کی پیمبر تھی، جو دریاؤں کے حاکم تھے
کوئی قلزم کوئی ساحل کوئی طوفاں نہیں چھوڑا

خدا کے دین کے پودے کی خوں سے آبیاری کی
خود اپنی جان دی اس کو مگر بے جاں نہیں چھوڑا

رضائے حق تلاشی ہر مکلف راہ سے ہر دم
خدا کی معرفت میں یوں کوئی ارماں نہیں چھوڑا

ذرا حامیؔ بڑوں کا حال بھی سن لے کبھی مجھ سے
وگر دنیا کا کوئی آج تک عنواں نہیں چھوڑا

پھول اور مومن

مہکتے خُلق سے مہکاتا ہے دنیا کے گلشن کو
نکھرتے رنگ سے رنگینیاں دیتا ہے آنگن کو

کمالِ گفتگو سے گھولتا ہے ذائقہ دل میں
بشاشت اسکے چہرے پر، لطافت اسکی محفل میں

حسیں ہر انجمن ہوتی ہے اس کے روئے زیبا سے
جبھی آزاد کرتا ہے سبھی کو دوش و فردا سے

عطا کرتا ہے صحرا کو بھی رعنائی گلستاں کی
یہ ہے مرکز پرستاں کا، یہ ہے رونق شبستاں کی

یہ ایسا پھول ہے کہلاتا ہوں جسکو میں اک 'مومن'
یہی آرائے بحر و بر، یہی زیبائے رات اور دن

خدائے ذوالکرم اس پھول کا خود بیج بوتا ہے
امم کے دورِ غم انگیز میں تخلیق ہوتا ہے

نشو اس پھول کی ہوتی ہے خاکِ نرم طینت سے
خدا کی معرفت کے نور سے، آبِ بصیرت سے

لطافت اس کو ملتی ہے ہوائے روح یزداں سے
نمو ہوتا ہے اس کا گرمیِ تیغِ مسلماں سے

نکھرتا شدّتِ عشقِ الٰہی سے ہے رنگ اس کا
غذائے ذکر سے بڑھتا ہے دھیرے دھیرے انگ اس کا

فضائے الفتِ احمدؐ میں یہ پروان چڑھتا ہے
جسم اسکا مزاجِ دین کی صورت سے بڑھتا ہے

یہ ہے وہ پھول جو مومن شباہت میں مہکتا ہے
یہ ہے مومن شگوفہ بن کے ڈالی پر لہکتا ہے

مگر اس پھول کو خطرہ ہے بے دینی کے خاروں سے!
متاثر کیا کرے؟ مرعوب ہے غربی نظاروں سے!

خراشیں سہہ رہی ہے امّتِ مرحومہ خاروں کی
اِسے ہے آرزو پھر سے بہاروں کی، نظاروں کی

مرے گلشن کے مالی، خود گلوں کی پاسبانی کر!
عطا مرجھائے پھولوں کو نئی تازہ جوانی کر!

عصر

کاشانۂ افرنگ کے فانوس ہیں ساحر
اے بندۂ مشرق تری مٹی ہے ابھی نم

پھنس جائے جو اک بار تو پھنستا ہی رہے گا
اک جال ہے مغرب کا چمکتا ہوا پر چم

راس آئیگی تجھ کو نہ یہ تہذیب معاصر
ہے تیرے خیالوں کے نمو کیلئے یہ سم

باشندۂ پورب کو ہے سردی ہی مناسب
جچتا نہیں تیرے لئے گرمی کا یہ موسم

تقلید زمانے کی روش کی نہیں اچھی
بہتر ہے تری ذات کو اسلام کا دم خم

آئے گا ترا دورِ درخشاں بھی جہاں میں
عاجز نہ پریشان ہو، کچھ دیر ذرا تھم

اُسی کی یادیں ستا رہی ہیں

(مظفر آباد/ننھیال کے پہلے سفر پہ تاثرات)

کبھی مجالس میں پھڑ پھڑانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں
کبھی اداؤں پہ مسکرانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

وہ غمگساروں سے بات کرنا، وہ ہم دلوں کا گلے لگانا
کبھی ہنسانا کبھی رلانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

ممانیوں سے مذاق کرنا، وہ پیارے بچوں سے دل لگانا
بڑے بزرگوں کا پیار پانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

وہ میری خالہ کی انجمن میں، سدا مہکتے سے اُس چمن میں
وہ دن کے ڈھلتے پہر میں جانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

کبھی ہنسانے کی بات کرنا، کبھی وہ انمول وعظ کہنا
یہ میرے ماموں کا ہے فسانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

کبھی وہ دادا کی ڈانٹ کھانا، کبھی نصیحت کبھی فسانا
کبھی وہ نانی کا مسکرانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

وہ دن کے پہلے پہر میں اٹھنا، تری ہواؤں میں سانس لینا
وہ دن کے پچھلے پہر کا کھانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

ترے نگر کی گلی کی مٹی، ہے میری آنکھوں کا سرمہ جیسے
وہ خوشبوؤں کا بھی جس سے آنا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

مچلتی ناگن کی چال جیسے دلوں میں ہلچل مچاتی جائے
سڑک پہ گاڑی کا یوں بھگانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

وہ کھیل بچوں سے یوں لگانا، کہ فکرِ دنیا سے آج چھٹی
وہ ہمسنوں سے گپیں لگانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

کبھی ندی میں سنبھل کے جانا، کبھی گذرنا بڑے سے پُل سے
کبھی سڑک کے کنارے آنا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

کبھی سوزو کی کی سیر کرنا، کبھی کرولا کا لطف لینا
کبھی تو رکشے کا وہ تھکانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

وہ راجدھانی کی سیر کرنا، وہ چائے لینا مری میں رک کے
کبھی وہ پنڈی میں سر جھکانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

کبھی کوہالہ کبھی وہ رنگلہ، کبھی ملوٹ اور چھلہ بانڈی
وہ دھیر تحصیل کا زمانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

علیل ہونا منیر ماموں کا بھی مرے تو دماغ میں ہے
وہ دوجے ماموں کا کپ گرانا، اسی کی یادیں ستا رہی ہیں

اے ہلالِ عید آجا

اے ہلال عید آجا روزہ داروں کے یہاں
بس ترا ہی راستہ دیکھیں مہینہ بھر سے ہم

لاج روزوں کی رکھی ہے ہم نے اب کی بار بھی
ایک بھی توڑے نہیں ہیں بس خدا کے ڈر سے ہم

آ کے اپنے عاشقوں کو اب تو امیدیں دلا
ٹوٹ کے بکھرے ہوئے ہیں آج تو اندر سے ہم

ہم وہی ہیں جو جہاں آرا و دنیا دار تھے
ہاں نکالے جا چکے ہیں اب تو اپنے گھر سے ہم

ہم میں تفریق نسب اور فرقہ آرائی ہوئی
جانے کیوں اغیار کو دکھتے ہیں اک باہر سے ہم

اب ہماری انجمن میں دورِ جامِ عشق نست
ناشناسا ہو گئے ہیں علم کے ساغر سے ہم

جذبۂ ایماں ہماری طاقتِ پرواز تھی
نابلد سے ہو گئے ہیں راہِ پیغمبر سے ہم

ملتِ اسلام کی حالت دگرگوں ہو چلی
کیسے مل پائیں کسی حاجات کے یاور سے ہم

ہم نے دنیا کو مذاقِ زندگی سکھلایا ہے
آج دبتے ہیں مگر غیروں کے کرّ و فر سے ہم

مانند خاشاک اڑائے جا رہے امروز ہیں
ورنہ کیسے لڑ پڑے تھے شوکتِ قیصر سے ہم

سُکرِ ناامیدی سے دیکھو ہم سراپا موت ہیں
اب کہاں سے جاگ پائیں ظلم کی ٹھوکر سے ہم

اے ہلالِ عید کا ہے تو بھی چمکا جائے ہے؟
آ تجھے بھی تیرگی دیتے ہیں اپنے در سے ہم

جو غلامی میں مزہ ہے تو کہاں جانے ہے وہ
اب تو اسکے ہو گئے دیرینہ ہیں خوگر سے ہم

یا چمکنا ڈوب کے ہم کو بھی سکھلا آج تو
ورنہ سکھلا دیں غلامی تجھ کو اب کی ٹر سے ہم!

حاؔمی امیدِ طلوعِ ملّت بیضا تو رکھ
دیکھتے ہیں روشنی آفاق کے اوپر سے ہم

تلاش

نہ مجھے کسی کی ہے جستجو، نہ کسی خوشی کی تلاش ہے
کوئی اور دل کو طلب نہیں، مجھے زندگی کی تلاش ہے

تری بے رخی سے عزیز تر ہے ستم ترا یہ بڑھائے جا
تری دوستی پہ گذر نہیں، تری دشمنی کی تلاش ہے

دلِ بے قرار ہے خواب میں، اسے زندگی کا نہیں پتا
اسے پھر جلانے کے واسطے دم عیسوی کی تلاش ہے

وہ کرن جہاں سے کدھر گئی جو ضیائے ذہن و خیال تھی
مجھے تیرگی کی گھٹاؤں میں اُسی روشنی کی تلاش ہے

مجھے زندگی نہ سمجھ سکی، نہ میں زندگی کو سمجھ سکا
رخِ زندگی سے مجھے ابھی کسی ربطگی کی تلاش ہے

غم زندگی اُسے کیسے ہو جو اسے سمجھ نہ سکا کبھی
مری زندگی میں ہے کیا کمی، مجھے اس کمی کی تلاش ہے

جو گھڑی ابھی میں ہوں جی رہا، اِسے کیوں جیوں یہ نہیں پتا
مری اس گھڑی کو گذر نہیں تجھے دوسری کی تلاش ہے

جو سکونِ محفل یار تھی وہ صدا جہاں میں نہیں رہی
مجھے خامشی کی فضاؤں میں اسی نغمگی کی تلاش ہے

یدِ ظالماں کی پکڑ کرے، دمِ ناتواں کو سنبھال دے
حدِ آسماں کو رقم کرے مجھے اس چھڑی کی تلاش ہے

مرا دل تلاشِ جنوں میں ہے اسے مورتی نہ ملی ابھی
مجھے موسوی کی تلاش ہے، اِسے آذری کی تلاش ہے

ذرا دیکھ حامیِ ناتواں ترے حزن میں ہے پڑا ہوا
اسے بس لگن ہے تری لگی تری عاشقی کی تلاش ہے

مسافر سے خطاب

رحمت حق کو ہمیشہ پاسباں کرتے چلو
عشق کے اسفار کو یوں جاوداں کرتے چلو

ماورا گردوں سے ہے منزل تمہاری بے ریا
دو گھڑی ارض خدا کو آشیاں کرتے چلو

بے سر و ساماں اگر ہو، عشق تو سامان ہے
ریت کو بستر، فلک کو سائباں کرتے چلو

ہیبتِ ذوقِ خدائی سے جبل رائی کرو
قطرۂ نیساں کو دریائے رواں کرتے چلو

بحر و بر کو راستوں سے پُر زمیں کرتے رہو
اس ردائے نیلگوں کو آسماں کرتے چلو

برگ و ساماں کے بنا اقوام کو منزل ملی
بے رسد اور بے ثمر، دستار خواں کرتے چلو

راستے قزّاق کی گھاتوں میں ہوں پوری طرح
پیشتر اسکے دِرائے کارواں کرتے چلو

ہر قدم تیز و سُبک کرتے رہو بڑھتے رہو
تابنا کی شوق کی سب پر عیاں کرتے چلو

حامیِ گستاخ کی بھی ایک ہی تو بات ہے
بات جو باتیں بنائے وہ بیاں کرتے چلو

انقلاب

دنیا کے سمندر میں ہے میرا سفینہ گم
تہذیبِ معاصر میں جینے کا قرینہ گم
حق گوئی و حق دانی، بے باکی و چالاکی
الفاظ تو ہیں باقی، معنی کا خزینہ گم
عالم ہے تلاطم کا لفظوں کے مذاہب میں
توحید و رسالت کے اسباق مدینہ گم
ہیں آلِ محمد کے اوصاف نہاں جگ سے
اخلاقِ حسینی گم، آدابِ سکینہ گم
بے پردہ پھرے جانا تسکین ہے عورت کی
مستی کی فضاؤں میں افراد نرینہ گم
اسبابِ جہاں میرے ایمان کا مرکز ہیں
ہے دل سے توکل کا بے مثل نگینہ گم
ہے علم کا فقداں بھی تقوی بھی کہیں غائب
یزداں سے تعلق میں، ہے عشق کا زینہ گم
عالم کے تغیر کو سمجھا تو ہے تو فطرت
دنیا کے گریباں کا ہے چاک رفو فطرت

صلائے عام

دیکھوں جو کتابوں کو سفر اور حضر میں
پھرتی ہے وہ تہذیبِ خدا داد نظر میں

ماحول سکھاتا تھا امیری کو فقیری
تہذیب کہ بھاتی تھی وہ فطرت کی نظر میں

جس قوم کے افراد جہانگیر و جہاں بیں
خورشید کی گرمی تھی، اماں! قلب و جگر میں

اسباقِ حکیمی جو پڑھاتے تھے جہاں کو
استادِ مکمل تھے وہ شمشیر و سپر میں

انصاف و مساوات کے اوصاف سکھائے
تسخیر جہاں فکر و نظر، علم و ہنر میں

ہسپانیہ، غرناطہ و بغداد و خراساں
افریقہ و ایران، سکندر کے نگر میں

ہر جائی ہیں، ہر جا پہ علَم گاڑ چلے جو
جس قوم کے اسلاف تھے ناجی، ہے بھنور میں

رنجور و پریشاں ہوں میں حیران و پشیماں
کیوں کھو سی گئی "ملّت ہادی" بھی سفر میں

للّٰہ، سماوات سے کی عرض، بیاں کر
نادانیٔ افکار جو لے ڈوبی بھنور میں

آسائش و آرائش و الحاد و معاصی
قاتل نے بڑی قند ملا دی تھی ثمر میں

فطرت کے تقاضوں کو تری قوم نے چھوڑا
گم گشتہ مسافر کی طرح پھرتی ہے گھر میں

اب، خیر جو ہونا تھا ہوا چل، ذرا آگے
اٹھ باندھ ستم توڑ کے، پیٹی کو کمر میں

قانونِ مسلّم ہے خداوندِ جہاں کا
منزل ہے اسی قوم کی جو خود ہے ڈگر میں

حامی تری ملّت میں ابھی خوں بھی ہے باقی
باقی ہے وہ سرخی بھی ترے خونِ جگر میں

اندلس

ہو جاتی ہے وا جس دم، کہنے کو زباں اپنی
جاتی ہے سرِ یزداں، دل دوز فغاں اپنی

اسلاف کے کھنڈر کو، دیکھوں جو میں اے لوگو
رُک جاتی ہے اس لمحہ، تقریرِ رواں اپنی

تم جان نہ پاؤ گے، اے خفتہ دلاں مسلم
اندلس کی فضاؤں میں سنتا ہوں اذاں اپنی

دزدیدہ نگاہوں سے، اندلس کے مراکز کو
دیکھوں جو میں روتا ہوں، ہے چشم رواں اپنی

طارق کے قدم جس نے چومے تھے محبت سے
وہ پاک زمین اب ہے، دردستِ بتاں، اپنی

ہائے وہ کتب خانے، وہ علم کے گہوارے
ہے شکل تمدّن کی آنکھوں سے نہاں اپنی

اس وقت اکابر کو، دھوکے میں پھنسا کر کے
افرنگ لعین نے کی، فطرت ہے عیاں اپنی

خوابیدہ ہے قوم اپنی، دل ہار کے بیٹھی ہے
آلودۂ زنگ اب ہے شمشیر وکماں اپنی

اے کاش مقدر میں، ذلت نہ لکھی ہوتی
اس قوم کے، جس کی ہے، یہ ارض جہاں اپنی

ہے ظلم و ستم ہر سو، سویا ہے مسلماں تو!
تیرا تو فریضہ تھا، ہے قوم کہاں اپنی

اس راہ سے ہٹ کے اب، سنت پہ مرو مٹ لو
اب جیت ہماری ہے، ہمت ہے جواں اپنی

ہم لعل و جواہر ہیں، اے مسلمِ ناداں اٹھ
اللہ کے حضرت میں، قیمت ہے گراں اپنی

ہاں اٹھ کہ گلستاں میں لائیں گے بہار اب پھر
گذری ہوئی صدیوں میں، آئی تھی خزاں اپنی

ذکرِ اسلاف

مجھ کو تو رلاتا ہے، بغداد کا افسانہ
مے خانۂ اندلس کا ٹوٹا ہوا پیمانہ!
دولت ہے چھنی ہم سے اب علم کی، حکمت کی
ہم کو ہو عطا یارب، پھر جذبِ کلیمانہ
وہ ہند کے سلطاں تھے وہ روم کے مولانا
جن کی تو صدا تھی بس اک نعرۂ مستانہ
بن قاسم ثقفی کی بے مثل وہ سندھ گیری
وہ طارق و موسیٰ کا، انداز ملوکانہ
بے قید وکراں انکے پروازِ تخیل تھے
ہیں آج جواں مسلم، زیرِ درِ بتخانہ
مسلِم کی خلافت کا وہ دور تھا تابندہ
پستی و غلامی سے اسلاف تھے بیگانہ
اب ہائے زیاں ہے بس، احساس نہیں ہم کو!
اب چھوڑ چکے ہیں ہم، وہ ہمت مردانہ!

دن رات

یہ بادل اندھیروں کے چھائے ہیں کالے
کوئی شاخ لے کر کے انکو ہٹا لے
غلامی میں صدیوں کی جکڑے ہوئے ہیں
مگر توپ دیکھی تو پتھر اچھالے
ہر اک سمت سہمی ہوئی زندگی ہے
کہیں پر ہیں چیخیں کہیں پر ہیں نالے
چھپے گھر میں ہنگامے ہر سمت دیکھے
گئی جو فضا تھم تو گھر سے نکالے
بھروسا کروں کس پہ آتے اجل ہی
کہ پہلے مری جاں نے ہتھیار ڈالے
اڑاتے ہیں احساس جادو بیاں سے
یہ کافر کہ اپنی ادا میں نرالے
کسی کو صلاحیں اگر دیں سب الفت
یہ دنیا! کہ الٹے مطالب نکالے

بکھرنے کو آئے ہیں یہ ظلم سہہ کر
کوئی تو اٹھائے، کوئی تو سنبھالے
قناعت ہیں کرتے انہی پہ مگر ہم
کہ ہر دن نکلتے ہیں جن کے دِوالے
محافل میں تکتے ہیں راہِ صراحی
ابھی تک مِرے ہاتھ کے خشک پیالے
درندوں کو چھوڑو مگر آخری دم
بناتے ہیں انساں کو انساں نوالے
محلّات اپنے لگن سے بنائے
گرے ایسے، جیسے کہ مکڑی کے جالے
گھُٹا تلخیوں سے ہے دم زندگی کا
یہ ہے وقتِ آخر کوئی تو بچالے
یہ ہاتھوں میں تقدیر آئی ہے کیسے
بھکارن کے پھیلیں، سمیٹیں دیالے
مرا دل کہ اجڑا ہوا گلستاں ہے
کوئی مرغ آئے تو مسکن بنالے

امت مرحومہ

دریا کے حوادث میں، جو رم میں ہو دریائی
خاشاک کے تنکے بھی کرتے ہیں مسیحائی

اک لالۂ صحرا پر صحرا نے ستم ڈھائے
پر مٹ نہ سکا ہرگز، وہ لالۂ صحرائی

یہ دورِ عزیمت ہے، آرام نہیں اچھا
مجھ کو تو مسلماں کی یہ نیند نہ راس آئی!

تشدیدِ ستم گاری ہر روز فزوں تر ہے
فردا کے تصوّر سے امروز ہے دل رائی!

ویراں دلِ مضطر نے اک بارشِ نَو ڈھونڈی
لیکن میرے بادل نے تعزیر ہے برسائی

جو زخم ابھرتے تھے اسلاف کو پڑھتے تھے
اب ظلم و ستم سہہ کر تاریخ نہ یاد آئی!

حالات کے رخ سے تو وہ روح تڑپتی ہے
محشر کی حضوری سے جو روح نہ گھبرائی!

اک خوابِ پریشاں کو اک سمت سمیٹا جو
بس خوف و تغیّر کی اک پھونک سی لہرائی!

ویراں سے گلستاں میں پژمردہ کلی دیکھی
احوال جو پوچھے تو بے اشک وہ مسکائی!

کیوں کفر کی سلطانی مومن کو ڈراتی ہے
باہر سے یہ خندہ ہے اندر سے ہے مرجھائی!

مشرق و مغرب

بندۂ بینا کو ہے بازیچۂ اطفال
اور اعمیٰ کا جہاں ہے مشرق و مغرب

راہیٔ پیہم کے سنگِ میل ہیں اطراف
ورنہ منزل کا نشاں ہے مشرق و مغرب

مطلع و مغرب سمجھتی ہے اسے دنیا
اک سفر کی داستاں ہے مشرق و مغرب

ڈوبنا ہی پھر ابھرنے کی نشانی ہے
اک مثالِ جاوداں ہے مشرق و مغرب

ایک مقصد کیلئے ہے اختلاف ان میں
اشتراکِ دوستاں ہے مشرق و مغرب

نماز

اقوام دگر کے لیے مومن کی عبادت
پر میری نظر میں ہے یہ معراج مسلماں

اللہ کے حضرت میں ہے مومن کی حضوری
انساں کی رسائی بہ درِ خدمتِ یزداں

پھر روح کی طاقت کو بڑھاتا ہے نمازی
پھر جسم کا انعام ہے اللہ کا احساں

یہ ایسی ملاقات ہے دربارِ خدا میں
سب ایک ہیں جاہل ہو کہ عالم کہ کتب خواں

ماورا ہو جا

مسافر بن و لے سنگِ نشاں سے ماورا ہو جا
ترقی میں تو رفتارِ زماں سے ماورا ہو جا

جہاں بینی، جہاں دانی، جہاں بانی، جہاں گیری
جہاں داری بھی کر لیکن، جہاں سے ماورا ہو جا

زمینوں، آسمانوں، جنگلوں، آدم کے سینوں میں
مکیں ہو کے، کسی خنا کی مکاں سے ماورا ہو گا

دمادم آسماں کے ہر دریچے سے صدا آئی
کہ دل کی بات کہنے کو فغاں سے ماورا ہو جا

بحورِ عشق کی موجوں میں ابتر سی ہوا آئے
و لے تو بھی! سبھی عشق بتاں سے ماورا ہو جا

تو اپنے انجم رخشندہ کو ناز جبیں دے کر لے
مگر ہر آتشِ پیرِ مغاں سے ماورا ہو جا

کبھی جلوت میں بیٹھے تو دلوں کی تار کو ٹکرا
سبھی کہہ دے، ولے منہ کی زباں سے ماورا ہو جا

مسلماں ہے تو اللہ کے بھروسے پر نکل آگے
مجاہد ہے تو شمشیر و کماں سے ماورا ہو جا

تُو محسن ہے تو دل میں اپنے خالق کی ضیا کو پا
کسی دیر و حرم یا آستاں سے ماورا ہو جا

توکّل ہے، تو بنجر کشت کو ساون میں دانہ دے
کسی نیساں، کسی جوئے رواں سے ماورا ہو جا

پیام انقلابی دے کے حامیؔ قوم کے رخ سے
اُسی پل ہی نوید ذو فشاں سے ماورا ہو جا

مری آرزو الٰہی

مرا کام عشق بازی، مرا دین عشق خواہی
مری خو ہے بے نیازی، مرا طرز خانقاہی

مرا دیں بلند تر ہو، مری قوم سرخرو ہو
کب جا کے پوری ہوگی، مری آرزو، الٰہی!

مری داستاں محبت، مری لوح لختِ دل ہے
مری انگلیاں قلم ہیں، مرا خوں مری سیاہی

مری قوم بے ڈگر ہے، نا آشنائے منزل
تو قدم قدم پہ اس کے ہے لکھی ہوئی تباہی

مرے کام آ کے پھر بھی، مرے کام کچھ نہ آیا
یہ جہانِ آب و خاکی، یہ مکانِ مرغ و ماہی

مری قوم کے جواں کو مرا خونِ دل دکھا دے
مرے پیر کو سکھا دے مری انجمن کی شاہی

ظلم و ستم کے لوگو ادوار ایسے گذرے
مرا جسم بھی کراہا، مری روح بھی کراہی

مجھے کیوں ستائے دنیا، ترا عدل ہے کہاں پھر
مجھے موت کی سزا ہے، مرا جرم بے گناہی

مری منزلیں کہاں ہیں، مرا راستہ کہاں ہے
بھٹکا گئی ڈگر سے مجھے میری بد نگاہی

کبھی آ کے اس جہاں میں تو، ذرا سا جلوہ گر ہو
فقط اک جھلک نگہ نے ترے نور کی ہے چاہی!

ترا بندہ غم زدہ ہے اُسے بخش دے خدایا
اُسے پُر ضیا بنا دے، وہ لیے ہے روسیاہی

شانِ مومن

وہ بہتے سمندر پہ مسکن بنا دے
وہ چلتی ہواؤں پہ ڈیرا جما دے

وہ نالوں سے اپنے فلک کو ہلا دے
وہ ضربِ کلیمی سے رستہ بنا دے

وہ سجدے سے اپنے زمیں کو جلا دے
وہ کشتی کا حافظ کوئی ناخدا دے

وہ نعمت کے پانے پہ شاکرادا دے
مصیبت کے پڑنے پہ وہ مسکرا دے

وہ شمشیر توڑے تو خامہ بنا دے
قلم کو بکھیرے تو نشتر بنا دے

وہ بکھرے اندھیروں کو اپنی ضیا دے
وہ ہر ظلم سہہ کر پیام خدا دے

وہ بکھری امم کو بس اک مقتدا دے
وہ سمٹی امم کو ہر اک سمت لا دے

وہ بھٹکے مسافر کو مشعل نما دے
وہ بچھڑے جواں کو خدا سے ملا دے

وہ علم نبوّت کے دریا بہا دے
وہ لقماں کی حکمت جہاں کو سکھا دے

وہ انساں کو اپنے خدا سے ملا دے
وہ اللہ کے حضرت میں سر کو جھکا دے

جوانوں کے ہاتھوں کو لوہا بنا دے
وہ جھکتے بزرگوں کو بڑھ کر عصا دے

وہ شہہ کو گدا کے برابر میں لا دے
کہ فرقِ شعوب و امم کو مٹا دے

وہ ظلمت کے ماروں کو اک آسرا دے
وہ بھٹکے ہوؤں کو منازل دکھا دے

ہر اک بزم میں نعرہ حق لگا دے
وہ باطل کے نعروں کو یکسر دبا دے

فقیروں کو پل میں تونگر بنا دے
امیروں کو فرض امیری بتا دے

وہ راہ وفا کی منازل سکھا دے
وہ حق کی اشاعت میں سر کو کٹا دے

خدائے احد کی وہ رٹ ہی لگا دے
بجز اسکے ہر ماسوا کو بھلا دے

وہ امراض انساں کو پل میں دوا دے
وہ اپنی نگہہ سے سبھی کو شفا دے

وہ آنکھوں کی مستی سے سب کو پلا دے
وہ اذن خدای سے مردے جلا دے

اڈتی سحر میں خدا کی ندا دے
وہ ڈھلتے پہر کو نیا آشنا دے

اشارے سے اپنے نیا دن بنا دے
اشارے سے اپنے نئی رات لا دے

وہ نظریں اٹھائے تو دل کو لبھا دے
وہ آنکھیں جھکائے تو بجلی گرا دے

الٰہی ہے بکھری ہوی قوم آدم
کوی آشنا دے کوی پیشوا دے

اب کہاں

اب نمایاں رات میں وہ جلوۂ اختر کہاں
اب کسی کی آنکھ میں وہ غمزۂ خودسر کہاں

آبجوئے گلستاں میں وہ ترنّم اب نہیں
اب مرے کانوں میں آئے نغمۂ صرصر کہاں

وہ ادائیں عاشقِ جانباز کی ملتی نہیں
اب کسی کے ہاتھ میں وہ تیشۂ آذر کہاں

اب تو مٹکوں کو اڑا کر بھی نہیں مخمور ہم
اب کسی کے ہاتھ میں صہبا کا وہ ساغر کہاں

طالبوں میں آج کے وہ فیض کامل کیسے ہو
اب مرے استاذ میں وہ جذبۂ اطہر کہاں

دورِ حاضر میں اگر وہ زورِ فاروقی نہ ہو
تو ملے گا خاک میں یہ شکوۂ قیصر کہاں

دن میں گریہ آنکھ میری دیکھتی ہے اور کچھ
خواب میں دکھلائیں گے وہ چہرۂ انور کہاں

اب کسی یعقوب کی آنکھوں کو جو بینا کرے
آج کے یوسف سے پائیں جامۂ عنبر کہاں

ایک ہی جنبش میں سارے ہی دلوں کو موڑ دے
اب کسی محراب میں وہ نالۂ منبر کہاں

ظہرانے کی روداد

شکر ہے اللہ کا، اسکی عنایت ہے مگر
آج میں نے کھایا کھانا ہے مسوری دال سے

ہم کسی کو یاد کرتے ہی نہیں لیکن ہمیں
یاد کرتے ہیں سبھی احباب، پر مس کال سے

کل جو ڈیٹا پیک کی حاجت پڑی تو چھوٹ کر
نوٹ سو کا، لے کے آئے 'کھاتۂ' کنگال سے

آج برساتوں سے دریاؤں کے دریا بھر گئے
کاش لے کے ہم بھی آتے جام دو میکالؔ سے

جب کہا محفل میں سب نے، تم بھی کچھ عنواں لکھو
لکھ دیئے اشعار کچھ میں نے، مگر پامال سے

آدمیت

نہ ہو نومید اے مردِ مسلماں، تو حوادث سے
یہ ہے وہ شَے جو کرتی ہے تنزّل کا سبب پیدا

اکٹھا ہو کے تم دنیا میں امنِ مستقل لاؤ
کہ حیوانی صفت کرتی ہے تفریق نسب پیدا

اگر عالم میں خوشیوں کا سماں بیدار کرنا ہے
تو ایمانی حرارت کو کرو روحوں میں اب پیدا

محمد اقبالؒ

ترے طرزِ سخن پہ کیوں نہ ہوں اقبال، قربان میں
نہیں پھوٹا شگوفہ، تیرے رنگ و بو کا، گلداں میں

جگایا ملتِ خوابیدہ کو تو نے فغانوں سے
تری فطرت کا پایا ہے، نہ پاؤں گا غزل خواں، میں!

تری ملت کو ہے تیری ضرورت اب بھی دنیا میں
کہ طالب ہیں، مگر غائب معلم ہے دبستاں میں

تجھے جینا تو تھا دنیا میں مثلِ مہرِ تابندہ
مگر افسوس! دنیا ہے رواں دریائے طغیاں میں!

غازیانِ دین

ہر خاص، کہ عامی ہو، نہیں راز سے آگاہ
مردانِ جہاں بیں کی نگاہیں بھی ہیں کوتاہ!

رہتی ہے سدا غازی کو مطلوب شہادت
اس جہد پہ ملتی نہیں اسکو کوئی تنخواہ!

دیتے ہیں یہ اسلام کے پرچم کو بلندی
ملّا بھی ہیں، درویش بھی، میداں کے شہنشاہ!

کرتے ہیں سدا ذکر و عبادت بھی جہاں میں
اور ذکر کی مجلس ہے مجاہد کی چراگاہ!

مرشدِ من

(حضرت اقدس مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم)

میرے دل کے گلستاں کے باغباں، شانِ چمن
شیخِ من ہیں مرشدِ من، جانِ من، مولائے من

باکمال و باجمال و بے نظیر و بے مثال
شان ہے ان کی سدا، چوں انجم و ماہِ زمن

ہیں شہنشاہِ شہیدانِ محبت، باوفا
راہ سالک پر چلے ہیں باندھ کے سر پر کفن

صورتِ شاہین ہے پرواز ان کی در فضا
شیر دل ہیں اس چمن میں، حاکمِ دشت و دمن

کشمیر

یہ وادیاں یہ آبشار!
کوہ و دمن، لیل و نہار!
کشمیرِ ناز، تیرا جمال
تیری خزاں، تیری بہار
تیرا نشاں، تیرا کمال!
بادام و سیب، توت و چنار!
اونچے پہاڑ، وہ گہری جھیل!
وہ خشک پن، وہ سبزہ زار
تیرے ہرن، تیرے اسد
دونوں کی ہے اک ہی قطار
للؔ عارفہ شیخؔ جہاں
حمزہؔ ترا، تیرا وقار!

خوئے دوراں

عادلانِ وقت کی شنوائیوں کے بعد ہم
بے گناہی کی خطا پر ہیں اسیرِ زندگی
ظلم کی ساری حدوں کو توڑ کے بھی الاماں!
وقت کے آقا کی آنکھوں میں نہیں شرمندگی

خواجگان وقت کی تھی بحثِ تازہ میز پر
ایک نکتے کے سوا باقی سبھی تھا بے ثمر
وہ یہ تھا کہ آج دستر خواں کی زینت کیا رہے؟
"اتفاق رائے سے نوخیز کشمیری کا سر"

حاکم ہندی ستم ڈھانے میں ہے افزوں تریں
کوئی پرساں بھی نہیں، کوئی مداوا بھی نہیں
خواجگانِ مادرِ مسکن ہیں ان کے ہی غلام
ان کے بس اک غمزۂ شکوہ پہ خالی ہیں نیام!

دعا

خدا تیرے خیالوں کو سحر کی تازگی دیدے
حرارت ظُہر کی اور دو پہر کی راگنی دیدے

بتانِ وقت میں سب سے بڑا بت، آشیاں بندی
خدا افلاک سی تیرے گماں کو مائیگی دیدے

لبِ منزل ترے پاؤں پہنچ کے ڈگمگاتے ہیں
ارادوں کو ترے آہن سی مولا پختگی دیدے

نشانِ فطرتِ سلمہ کو تو سمجھا نہیں اب بھی
تری ظلمت بھری دنیا کو اللہ روشنی دیدے

بنی آدم میں اتنی نفرتوں کو کون بوتا ہے
خدا تجھ کو تری اِس کردگی کی رستگی دیدے

کسی پیر جواں ہمت کو تکتی ہیں مری آنکھیں
محبت کی مری اس انجمن کو چاشنی دیدے

ترا تابندہ ماضی ہی، ترے کل کا بھی ہادی ہے
خدا آموزیِ اَسباق کی توفیق بھی دیدے

نقوش فطرتِ اسلام کو اب تیرہ کہتے ہیں
خدا میرے دل ناداں کو ایسی تیرگی دیدے

زمانے میں کئی عابد مری آنکھوں سے گذرے ہیں
خدا مجھ کو حقیقی ذوق وشوق بندگی دیدے

محبت میں صلے کی آس رکھنا جرم کرنا ہے
مری عاشق مزاجی ہی طریقِ عاشقی دیدے

قصیدہ

ہوئے حق کے داعی قبر میں مگن
منادی ہیں باطل کے دشت و دمن

مظالم کی چھائی جہاں میں گھٹا
پھٹا عدل کی نعش کا ہے کفن

ہے بے یار و ناصر جہاں کی صدا
کرم کر تو اے بادشاہِ زمن

ہے تیرا وجود اس زمین پر گنہ
کہ طائر نے پایا قفس میں چمن

یہ عالم ہے مشغول آرامِ جاں
یہاں بن گیا ظلم بھی ایک فن

یہ انصاف کی بات کرتے ہیں
حواسوں سے فارغ ہیں اہل سخن

بظاہر بنے ہیں جو عادل بڑے
انھی کا ہے خوں سے بھرا پیرہن

ہے دنیا کی یہ زندگی دائمی
فقط ہے گمان و خیال اور ظن

اگر تو نہ ہو تنگ تو یہ کہوں
سوائے خدا ہے نہیں یارِ من

یہ دنیا کا پیشہ ہمیشہ سے ہے
کوئی یاں ہے شیر اور کوئی ہے ہرن

یہاں کی چکا چوند سب ہے فنا
ہے نا پائداری کا دنیا چمن

یہ ساری زمیں ابن آدم کی ہے
نہیں ہے مسلماں کا کوئی وطن

نہیں اسکی صورت گوارا مجھے!
ہے مغرب کا دیکھو تو وحشی چلن

اب آخر خدا کی رضا ڈھونڈ لے
تو ہو جا اسی جستجو میں مگن

دستم بر ضعیفان و مسکین مکن،
بجا کہہ گئے سعدیؒ ذی سخن

تری آسمانوں میں منزل ہے بس
زمیں ہے نہ زر ہے نہ ہی حبِّ زن

قطعات

قطعہ ۱

وہ خوابوں، خیالوں میں، آیا ہے اکثر
مرے دل کی دنیا کو بھایا ہے اکثر
خدا اُس کی بگڑی بنائے ہمیشہ
مجھے دیکھ کر مسکرایا ہے اکثر

قطعہ ۲

دگرگوں دل، جگر بے سوز نہ ہوتا
کوئی اندیشہ غم اندوز نہ ہوتا!

جدائی سہہ نہ پاتے ہم بھی فردا کو
اگر یہ حادثہ امروز نہ ہوتا

تماشا بن چکا ہوتا محبت کا
تماشا یوں مرا ہر روز نہ ہوتا

قطعہ ۳

فرمایا شیخ سعدی کو یہ اپنے شیخ نے
دریا کا اک طرف تھا اور اک ساحلی طرف
اک سمت خوبیوں کو بھی اپنی نہ دیکھو تم!
دیکھو نہ عیب دوسروں کے بھی دوسری طرف

یہ قطعہ مندرجہ رباعی کا مفہوم ہے:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو انداز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش
(سعدیؔ)

قطعہ ۴

مجھ کو اب تنہائیاں تو راس آتی ہیں مگر
انجمن سے اب مرا تو یونہی گھبراتا ہے دل
سوچتا ہوں غیر کو، تو مجھ سے بھاگے جائے ہے
تجھ کو سوچوں، تو مرے پھر پاس آجاتا ہے دل
اب خوشی ملنے پہ میرا دل عجب سی رَو چلے
پر دکھوں سے واسطے پر مسکرا جاتا ہے دل

قطعہ ۵

یہ دل جانِ جاں پر فدا کر کے میں نے
اصولِ محبت بیاں کر دیا ہے
انھیں یاد کر کے شکستہ پلوں میں
دلِ نیم جاں کو جواں کر دیا ہے

قطعہ ۶

عجیب سا طبیب تھا کہ جس نے یہ لکھا کہ اب
مریضِ عشق کے لئے تو دید ہے دوائے دل
یہ کائناتِ خامشی بھی سٹپٹا کے جاگ اٹھی
چہار سمت گونج اٹھی تھی جب مری نوائے دل
عجب سی عشق میں اُلٹ پلٹ سی ہو رکھی ہے کچھ
یہ نین ہیں دھڑک رہے تو اشک ہے بہائے دل
یہ ہجر و وصل کی سدا کی کشمکش میں بھی
جو آنکھ گر چھلک پڑے مگر ہے مسکرائے دل

قطعہ ۷

مرے تخیّل سے ماورا ہیں عمیق باتیں دقیق راہیں
مگر ہمیشہ تجھے ہی سوچیں تجھے ہی دیکھیں مری نگاہیں
جہاں نے ہم پر ستم ہیں ڈھائے، تری ہی خاطر ہیں زخم کھائے
ہر اک ستم پر تجھے پکارا، رہیں نظر میں شفیق باہیں
ہر ایک رہزن مجھے پکارے میری طرف سے جواب پائے
'مری متاعِ جہاں یہی ہے، مرے یہ نالے، مری یہ آہیں'
ترے تفکّر سے جی رہا ہوں ترے خیالوں میں پی رہا ہوں
اگرچہ ہونٹوں کو سی رہا ہوں، مگر نگاہیں تجھی کو چاہیں

قطعہ ۸

ہو حسن اگر قاتل پھر پیار سے کیا حاصل
دنیا کے حسینو تم اب ناز بدل ڈالو
دشمن پہ جھپٹنے کی تدبیر نہ ہو کاری
پھر اپنے اصولوں کو اے باز بدل ڈالو
گر خواب حقیقت میں رہبر ہے تیرا حامیؔ
مفہوم وہی رکھ کر الفاظ بدل ڈالو

قطعہ ۹

عورت کو محبت سے ہے نفرت
مردوں کو ہے شہوت کی ہی رغبت
عورت کو محبت کی دوا دو
مردوں کو شرافت کا پتا دو

قطعہ ۱۰

عجیب منزل ہے پاس ہو کر بھی دور لگتی ہے مجھ سے کوسوں
عجب مسافر ہوں چل کے تھکتا ہوں تھک کے چلتا ہی جا رہا ہوں
وہ دن کہ دیکھا ہے اس نگاہِ خمار آگیں کو جب سے میں نے
خمار ایسا چڑھا ہے مجھ پر کہ اب مچلتا ہی جا رہا ہوں

قطعہ ۱۱

یہ گلوں کی ساری شگفتگی، ہے ترے ہی دم سے ملی انھیں
یہ نکھر تا رنگ بھی تجھ سے ہے، یہ مہک بھی تیری عطا ہوئی
مرے لفظوں میں وہ بیاں کہاں، مری فکر کی وہ زباں کہاں
کہ ترا میں نقش کروں بیاں، تو معاف کر جو خطا ہوئی

قطعہ ۱۲

محبتوں کے ولولے ہیں الفتوں کے زمزمے
دیارِ دل میں آج بھی ہیں رونقیں سجی ہوئیں
کہاں وہ تیز آندھیاں کہ شہر کو اکھاڑ لیں
کہاں یہ بادِ صبح میں ہیں شوخیاں ڈھلی ہوئیں
یہ جادوئی فسوں نما سی روشنی کے سائے میں
جو جل رہی تھیں رات سے وہ شمعیں ہیں بجھی ہوئیں

قطعہ ۱۳

زلفِ جاناں کی درازی مختصر ہوتی گئی
لطفِ ہجراں خاص لوگوں کا مقدر بن گیا
زندگی کا ربط ٹوٹا ہائے کیسے حال میں
دل اندھیرے میں رہا چہرہ منور بن گیا
میں چلا تھا ان سے ربطِ عشق کرنے استوار
ہائے قسمت چھوٹ کر ان کا پیمبر بن گیا

قطعہ ۱۴

اس قدر چپ بھلی نہیں ہوتی
جانے کیا کیا گماں گذرتے ہیں
گرچہ صدیاں گذار دیں لیکن
غم کے لمحے کہاں گذرتے ہیں
عشق میں کچھ برا نہیں لیکن
عشق والے گراں گذرتے ہیں
صاحبانِ جنوں کو بھی دیکھو
زیرِ نوکِ سناں گذرتے ہیں

قطعہ ۱۵

اے دل تمھیں اتنی بھی سمجھ کیوں نہیں آتی
بولا بھی کہ "تم کوئی نہیں ہو" تو نہیں ہو
اخلاص کی قیمت کو زمانے میں نہ ڈھونڈو
تم ہو بھی، تو نہیں ہو، جو نہیں ہو، تو نہیں ہو

قطعہ ۱۶

نہ ستیزہ گاہِ جہاں مری، نہ ہیں دم بخود یہ سماں مرے
نہ مکیں مرے، نہ مکاں مرے، نہ زمین اور زماں مرے

میں وہ شاخ ہوں جو بچھڑ گئی جو خزاں کے دم سے اجڑ گئی
نہ ادیب نے لکھی داستاں، نہ رہے ہیں نام ونشاں مرے

میں ہوں خاکِ پا تری رہگذر، جو ہو کوچۂ جاناں سفر
تو اے راہ رو ٹھہر ایک پل، ترے آگے غم ہوں بیاں مرے

سوئے رب ترا کہیں کوچ ہو، تو یہ شیخ میرا پیام کہہ
تو مرا حریف نہ بن خدا، کہ بنے ہیں سارے جہاں مرے

قطعہ ۱۷

ٹھوکر نہ مجھے مارو عاشق ہوں میں دیوانہ
دل کو تو ذرا چھو لو معلوم ہو پیمانہ

اے کاش مقدر میں لکھ دے یہ کوئی میرے
وہ مجھ سے جدا کیوں ہوں جو آج ہیں بیگانہ

تقدیر مری میرے اتمام پہ اڑتی ہے
تانا ہے مرا الجھن اور غم ہے مرا بانا

پرساں ہے کوئی میرا، نَے حال بتاتا ہوں
مغموم و پریشاں ہوں مجبور و تہی خانہ

قطعہ ۱۸

پریشاں ہو کے آخر دل نے تم سے کہہ دیا برسوں
مرے بحرِ محبت میں تھا اک محشر بپا برسوں

تری اس بے رخی کا میں سبب تم کو بتاتا ہوں
کسی دل کا چکاتا ہوں ابھی بھی خوں بہا ہر سوں

نہ حیراں ہو تو اے بارش مری آنکھوں کے پانی پر
تری مانند یہ بھی تھا سمندر میں چھپا برسوں

کرے قربان جو اپنی ضرورت کو تمنّا کو
ثنا خوانِ محبت میں نہ دیکھا اک نیا برسوں

قطعہ ۱۹

زمانے کو ہم نے سکھایا ہے اکثر
سبق زندگی کا پڑھایا ہے اکثر

تجدّد پسندی نے یہ رخ دکھایا
پرانے غموں کو بھلایا ہے اکثر

کدورت کی چھائی اندھیری میں ہم نے
وفا کے دیوں کو جلایا ہے اکثر

دم زندگی آخری موڑ پر ہے
ترا نام ہونٹوں پہ آیا ہے اکثر

قطعہ ۲۰

سلامت، کہ ہستم گرفتار عشق
مرا دل ہے زخمی بہ آزار عشق

نہ بینم حسیں از رخ یار من
پھر سے دل میں پھر سے ہیں افکار عشق

یکے لمحہ بر من کرم کُن، خدا
مکمّل بنا میری دیوار عشق

ز دیدست دوائے دلِ عاشقاں
اسی پر دھرا ہے صنم بار عشق

قطعہ ۲۱

کبھی چشمِ تصور سے، ترا چہرہ جو تکتا ہوں
بڑی مشکل سے ضبط دل سے اک جانب لڑھکتا ہوں
ترے اندازِ گویائی پہ مرتا ہوں، میں جیتا ہوں
تری دہلیز کے آگے گذرتا ہوں، دھڑکتا ہوں

قطعہ ۲۲

مری زندگی کے لمحے، ہیں کچھ اس روش پہ رہرو
کبھی فکرِ صبح سر پر، کبھی یاد آئے ماضی
کبھی وہ جنوں، کہ خود کی، نہ خبر، نہ ہی تحیّر
کبھی اس قدر تدبر، کہ جہاں کی خرقہ سازی

قطعہ ۲۳

دل کو ترے خیال نے مخمور کر دیا
سینے کو تیرے جلوے نے پرنور کر دیا
اہلِ نظر نہ دیکھ سکے روئے یار کو
جب تک حجاب موت نے مستور کر دیا

پنجابی نظم

(توہاڈے لئی)

تینوں تک تک چِت میرا نہیں بھردا
میری اکھیاں نوں کوئی ہور نہیں سردا
تینوں ویکھن تے ہی میرا چن چڑھدا
تیتھوں وکھ ہے ہنیرا جانی لوکردے
میرے انگنا وچ جانی خوشیو کردے

تیرے صدقے میں جاواں، تیرے ناز اٹھاواں
تینوں باہاں وچ بٹھاواں، تینوں سیر کراواں
تیرے دل دی خوشی لئی دس واری مرجاواں

تینوں سامنے بٹھا کے تیری مورتی بناواں
ساری دنیا دے پھُلاں نال اُس نوں سجاواں
تیری مورتی نوں اپنے میں دل وچ بساواں

تیرے عشق دے لئی ہُن جوگی بن جاواں
نگ نتھلی میں پاواں، پیراں جھانجھراں وی پاواں
آپ پھانسی چڑھ جاواں، تیری عزت بچاواں

تیرے عشق دا سبق میں سب نوں میں پڑھاواں
تیرے اوتے مر جان والی مشک سُنگھاواں
تیرے اوتے کیویں مرن، میں سب نوں سکھاواں

ذرا کول میرے آجا تینوں زخم وکھاواں
تینوں حال سناواں، تیتھوں لیواں میں دواواں
میرے دل دی بیماری دا علاج کراواں

تسنیم الرحمان حامیؔ

۱۲ مارچ، ۲۰۱۸

متفرقات

اظہارِ محبت پہ بھی ہو جاتے ہیں برہم
کچھ سادہ طبیعت کے ہیں یا بیر ہمیں سے!

-

تیکھی ناک، نازک ہونٹ، کالی آنکھ، بھوری زلف
ہر ادا تمھارے حسن کی دیوانہ کرتی ہے

-

اگرچہ گولی سے بچ بھی جائیں
تمھاری نظروں کا کیا کریں گے

-

وہ کر بھی لیں، تو اس لہجے میں اکثر بات کرتے ہیں
کہ مفلس سے بہ مجبوری تونگر بات کرتے ہیں

-

اے جانِ تمنّا مجھے اتنا نہ ستاؤ
دو چار تو سانسیں ہیں ذرا چین سے لے لوں!

یہ رہ رہ کر مرے دل میں جو ٹیسیں اٹھتی جاتی ہیں
کہیں اک ٹیس میری آخری ہچکی نہ بن جائے

-

زروئے تو چوں ماہِ ضوفشاں می یافتم راہے
بلہ! روشن کند چشمانِ مارا نورِ سینہ اش

-

ہم کو جینے کی چاہت بہت تھی مگر
زندگی نے ہمیں اجنبی کر دیا

-

ارے کمبخت کیوں چہرہ اتارے پھرتے جاتے ہو
کسی اپنے نے تجھ کو اجنبی تھوڑی کہا ہوگا

-

یک دو محفل با بزرگاں گر نشینی
روحِ ایماں در دلِ خود را ببینی

-

وہ آشنائی کیا تھی جس کا بھرم بھی ہم کو
رکھنا پڑا ہمیشہ، اک اجنبی ہی بن کر

یہ صبحِ تمنّا مجھے کہہ رہی ہے
بپا اٹھ کے دنیا میں کہرام کر دو

-

وہ ہمارے سنگ لائے غم تو رو دئے
پاس آ کے مسکرائے، ہم تو رو دئے

-

سیہ بختی مقدر ہے
مجھے کیا غرض رنگوں سے

-

غم کے سائے ابھر رہے ہیں
آج اتنی خوشی ملی ہے

-

بہت آساں نہیں ہے باپ ہونا بھی
مگر بیٹا بنے رہنا بھی مشکل ہے

-

انھیں کا مذاق اب بدل سا گیا ہے
ہمارا مزاج اب بھی ہے شاعرانہ

بولتے ہیں سوچ کے وہ ہر جواب کو
کیا کہوں گا سوچ کے میں آنجناب کو

-

بس ایک نقطہ بھی کیا ہی بدلا
بکھر گئے جب نکھر رہے تھے

-

یادِ عہدِ رفتہ ہم کو آج آ گئی
ہم بھی ایک دور میں جواں رہے بہت

-

جنھیں ہم سجاتے ہیں پلکوں پہ اپنی
وہ پلکیں بگھو کر چلے جا رہے ہیں

-

کوئی تو دل میں ہے بات ورنہ
یہ آنکھیں با دل بھی تو نہیں ہیں

-

ان کی زلفوں کے سب کرشمے ہیں
ورنہ غم کیا خوشی کیا ہے

الگ بات ہے تم پہ ہی وار دی
دیئے تھے ہمیں کو خدا زندگی

-

مدتیں ہو گئیں مسکرائے نہیں
اب تو آ جاؤ کب سے تم آئے نہیں

-

لفظ اردو کے مرے افکار بن گئے
حرف دو کیا لکھ لئے اشعار بن گئے

-

آگ تو پھر آگ تھی یہ گر جلا بیٹھی تو کیا
اس ہوا کو کیا ہوا یہ راکھ اُڑا کے لے چلی

-

مسکراہٹ پھیر دیتی ہے لبوں پر تیری یاد
پر یہ آنکھوں کے سمندر میں بپا طوفاں کرے

-

خدا حافظ ایا جانم، نمی بینم تُرا دیگر
ببیں جانم کفن پوشم، تفنگم بر سری دوشم

وہی جو آج تک آیا، سنبھالا مجھ پریشاں کو
وہی آئندہ آئے گا بچانے کو مرے، دیکھو

-

مرے حالات پر رونا بہت آتا اسے، جانا
مگر مظبوط تھا اتنا، کہ وہ بے اشک ہنس دیتا

-

عجیب کشمکش میں دل مرا یہ بے قرار ہے
جنوں بھی ہے، وفا بھی ہے، کسی کا انتظار ہے

-

خدا جانے مجھے اتنا گماں خود پر ہوا تھا کیوں
کہا جو اس نے جی لو، ضد سے مرنا ہی لگا اچھا

-

عشق میں انداز اپنا ہم نے پایا، چل دیے
ان کو دیکھا، خود کو دیکھا، پھر سے دیکھا، چل دیے

-

زندگی جذبات ہیں، جذبات ہی تو شاعری
شاعری تو زندگی ہے، زندگی تو شاعری

یہ دیوانے کہاں جاتے نظر آتے ہیں عجلت میں
ذرا دیکھو کہ مقتل کا نظارہ عید پر کیا ہے!

-

وہ کہتے ہیں محبت کا کوئی پیکر نہیں ہوتا
ذرا پوچھو، کہ ابو کو کبھی دیکھا ہے فرصت سے؟

-

یہ اِبتلا کچھ ایسی ہے کہ ہوش میں نہیں ہوں میں
اگرچہ مبتلا بہت تھے ارمغانِ حسن کے!

-

کچھ ایسے برستی تھیں وہ آنکھیں مرے جاتے
جس طرز پہ گرتی ہیں تہہِ خاک پہ بوندیں

-

اتنا تو نرا چشمِ پیمبر سے بھی جانا
فرقت سے بھلا آپ بھی خوش ہیں، کہ نہیں ہیں!

-

تڑپ رہے ہیں جام لے یہ تشنہ لب یہاں
کہ ہم بیان لطفِ دستِ نازنیں کریں

میں نے ان سے دل جو مانگا، وہ مرا ہی تھا
سوچ کے بولے، مگر تمہارا کچھ نہیں!

-

چپ سے ہو گئے ہیں وہ میرے سوال سے
سوچ میں وہ پڑ گئے میرے خیال سے

-

سوچتا ہوں سوچنے کا فائدہ کیا ہے
دل اگر سوچوں میں بند ہو پھر رکھا کیا ہے

-

میری ساری داستاں کو سن چکے جب غور سے
چہرۂ زیبا گھما کے پوچھتے ہیں، اور کچھ؟

-

یہی انتظار ابھی بھی ہے، تری زلف چھٹ کے ذرا ڈھلے
تری چاند جیسی حسیں جبیں کو میں پھر سے دیکھ لوں غور سے

تمت بالخیر